کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:18 Issue:11 November 2025

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا حق

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: چناں چہ جو لوگ اس نبی پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اتارا گیا ہے، اس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

تشریح: مذکورہ آیت کے اس جز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدالکائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے، جن میں سے پہلے حق کی تشریح پیوستہ ماہ کے درسِ قرآن میں ذکر کی گئی ہے، آب حسبِ وعدہ دوسرے حق کی توضیح پیش کی جارہی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے حق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: کامیاب وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور اکرام کرتے ہیں، اور اس کے لیے لفظ **"عزروہ"** کو استعمال فرمایا ہے، تعزیر کے متعدد معانی آتے ہیں ان میں سے دو معانی کو قرآنِ کریم کی دو آیات میں بیان کیا گیا ہے، ان میں سے ایک معنی ہے مدد کرنا، اور دوسرا معنیٰ ہے تعظیم کرنا پہلے معنیٰ کو سورۂ فتح میں بیان کیا گیا ہے لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ اور اوپر ذکر کردہ آیت میں دوسرا معنیٰ مراد ہے۔ تعظیم دو طرح کی ہوتی ہے، ایک باطنی اور دوسری ظاہری، باطنی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام کرنا اور دل میں ان کی عظمت کا ہونا، یہ تعظیم تو ہر مسلمان کے قلب میں ہوتی ہی ہے؛ ورنہ اس کے بغیر ایمانِ کامل ہو ہی نہیں سکتا؛ لیکن اس کے علاوہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ ظاہری تعظیم بھی ہے جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف توجہ بھی دلائی ہے، چناں چہ ایک مرتبہ قبیلۂ تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول شریف یہ تھا کہ جب کوئی وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتا تو

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس گھٹکیسر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی کو آئندہ کے لیے امیر منتخب فرماتے اسی سلسلے کی مشاورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وفد میں سے ایک آدمی کا نام لیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے آدمی کا نام لیا اور دونوں حضرات نے اپنی اپنی رائے کی تائید وحمایت اس طرح کی کہ کچھ بحث کا سا انداز پیدا ہو گیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، حالاں کی ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے بطورِ تنبیہ یہ آیت نازل فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (اے مسلمانو! نبی کی آواز سے اوپر اپنی آواز بلند نہ کرو) اور چوں کہ ان دونوں بزرگوں کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے سے پہلے ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تادیباً یہ آیت بھی ساتھ میں نازل فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو) یہ آیت عام ہے۔ اس کے تحت یہ بھی داخل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چل رہے ہوں تو ان سے آگے مت بڑھو اور حضور کسی معاملے میں جب تک کوئی فیصلہ نہ کریں تم اپنی کسی رائے پر اصرار مت کرو چناں چہ مذکورہ آیت کے نزول کے بعد اجلۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست آواز میں بات کرتے تھے، اور بعض تو حبطِ اعمال کے ڈر سے گفتگو ہی نہیں فرماتے، یہ سمع وطاعت اور ذات نبی اور دربارِ نبی کی ادب آوری ہے، اس بے مثال جذبہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح سرائی کی اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (سورۂ حجرات: ۳) (جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے)۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام کسی خاص موقع پر نازل فرمائے تھے لیکن الفاظ کو عام بیان فرمایا تاکہ یہ حکم قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے ہو جائے، لہٰذا مذکورہ آیات کا پسِ منظر اور شانِ نزول ہر چند کہ خاص ہے؛ لیکن حکم عام ہے، پس قیامت تک تمام مسلمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرنا لازم وضروری ہے، ہر مسلمان کو کوئی دینی فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھنا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں معاملے میں کیا ہدایت دی ہے، ایسا نہ ہو کہ ہمارا کوئی فیصلہ حضور کے کیے گئے کسی فیصلے کے خلاف ہو، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (سورۂ احزاب: ۳۶) کسی بھی مسلمان مرد اور نہ ہی کسی مسلمان عورت کے لیے اللہ اور رسول کے فیصلے بعد ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔

اللہ رب العزت ہمارے دلوں میں بھی صحابۂ کرام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پیدا فرمائے۔ آمین



درسِ حدیث

ہر نیک کام صدقہ ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تَبَسُّمُك فِي وَجْهِ أَخِيك صَدَقَةٌ وأمرُك بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُك عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَك صَدَقَةٌ وَنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيءَ الْبَصَرِ لَك صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُك الْحَجَرَ وَالشَّوْك وَالْعَظْمَ عَن الطَّرِيقِ لَك صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُك مِنْ دَلْوِك فِي دَلْوِ أَخِيك لَك صَدَقَةٌ. (ترمذی:1956)

ترجمہ:۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت تمہارا مسکرانا تمہارے لیے صدقہ ہے، تمہارا لوگوں کو بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، بھٹک جانے والی جگہ میں راہ بھولے ہوئے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، کم نظر آنے والے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، پتھر، کانٹا اور ہڈی کو راستہ سے ہٹانا تمہارے لیے صدقہ ہے، تمہارا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔

تشریح: ہر انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عنایات والطاف اور لامحدود نوازشات وعطایا سے اس طرح عبارت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور اس کے جُود وعطا کے تئیں تصدّق وفداکاری کے لیے ہمہ تن اور ہمہ وقت تیار رہے۔

تصدّق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشاء
اِدھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دم بہ دم عنایت

حق تعالیٰ شانہ کی اسی صفتِ عطا اور وصفِ نوازش کا اثر بندوں کے اندر اپنے ہی ایمان والے بھائیوں کے ساتھ سلوک ومعاملہ کے حوالے سے ظاہر ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ معاملہ اور سلوک جس سے کسی شخص کا

---

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

کوئی کام بن جائے یا محض طرزِ عمل سے کسی کا دل خوش ہو جائے ، اللہ تعالیٰ کو صرف پسندیدہ اور محبوب ہی نہیں ؛ بلکہ یہ ایسی قربت وعبادت ہے جس پر دنیا وآخرت میں اجر وثواب کی بشارت ہے۔

زیرِ نظر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض ایسے ہی امور واوصاف کا بیان فرمایا ہے جس پر عمل کر کے کوئی بھی مسلمان جہاں صدقہ اور خیرات کا اجر وثواب پا سکتا ہے تو وہیں دوسری طرف آپسی بھائی چارہ باہمی اتحاد واتفاق کے جذبات بیدار ہونے لگتے ہیں، اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کے وقت خندہ پیشانی وخوش اخلاقی سے پیش آنا کوئی مشکل کام نہیں ہے؛ لیکن طبیعت وفطرت کی نرم مزاجی انسان کو اِس خوبی پر آمادہ کرتی ہے۔

صحابیِ رسول حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مجھ کو ملاقات سے منع نہیں کیا، اور جب بھی آپ مجھ کو دیکھتے تو مسکراتے ، ماحجبني النبي ﷺ منذ اسلمت و لا رأني الا تبسم (متفق علیہ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے اُن لازمی فرائض میں سے ہیں کہ جس کی تاکید ووصیت آئی ہے اور اس سے اعراض پر سخت ترین وعیدوں سے قرآن حدیث کے بے شمار صفحات بھرے ہیں، اسی کام کے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر بے قرار رہتا تھا، اُس بے قراری کا کسی درجہ میں احساس مسلمان کو اِس فریضہ سے غافل نہیں رکھے گا، راستہ بھٹکے شخص کو اُس کے صحیح راہ کی راہنمائی کرنے کو صدقہ کہا گیا ہے، راستہ سے کوئی بھی تکلیف دہ چیز کے ہٹا دینے کو بھی صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اپنے ڈول سے اپنے کسی بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا صدقہ کا درجہ رکھتا ہے، بہر حال حدیثِ مذکور میں جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اور اِن جیسے اور معمولی درجہ کے وہ امور جس سے کسی بھی بندہ مسلم کو نفع پہنچایا جا سکتا ہے اُس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

اسی مضمون کی حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے ہر جوڑ پر ہر روز جس میں سورج طلوع ہوتا ہے ’’صدقہ‘‘ ہے، فرمایا: تم دو آدمیوں کے درمیان عدل کرو یہ صدقہ ہے، تمہارا کسی آدمی کی اُس کے جانور کے متعلق مدد کرنا کہ اُسے سواری پر سوار کرا دیا، یا سواری پر سامان اٹھا کر رکھ دیا یہ بھی صدقہ ہے، اچھی بات کہنا صدقہ ہے، ہر قدم جس سے تم مسجد کی طرف چلتے ہو صدقہ ہے، اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دو یہ بھی تمہارے لئے صدقہ ہے۔ (مسلم:1009)

معلوم ہوا کہ روزانہ اپنے ہر جوڑ کی سلامتی کے شکر یہ میں کوئی نہ کوئی نیک کام (جو مذکور ہیں اور جو اِس کے علاوہ ہیں) ضرور کرنا چاہیے۔

پیش گُفتار

اہل سنت میں شیعیت کی تخم ریزی

فکر و توجہ کی ضرورت

از: حضرت مولانا یحییٰ نعمانی صاحب زید مجدہٗ*

جو لوگ مسلمانوں کے حالات سے کچھ باخبر رہتے ہیں، خصوصاً جو حضرات دینی صورت حال کی فکر رکھتے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ: گزشتہ چند سالوں سے اہل سنت کے عوام میں، صحابۂ کرامؓ سے بدظن و متنفر کرنے کی، گویا ایک وسیع و طاقت ور تحریک چل رہی ہے۔ یہ تحریک بظاہر منظّم نہیں ہے اور اس کے افراد کسی تنظیمی اشتراک کے بغیر کام کر رہے ہیں، لیکن ان کی دعوت و تحریک، اپنے خاص پیغام اور فکری رُخ کے اعتبار سے، بڑی یکسانیت اور ایک خاصا مرتب و مرحلہ وار انداز رکھتی ہے۔ خطرہ ہے کہ اس کا عملی نتیجہ یہ نکلے کہ بہت سے لوگوں کے دل و دماغ کی زمین پورے طور شیعہ مذہب کے لیے پر تیار ہو جائے۔

ایک اہم اطلاع اور خبر:

اب سے تقریباً ۱۵ سال پہلے سفر حج کے دوران ایک بہت واقف اور فکر مند ایرانی سنی عالم نے (جو اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے کی وجہ سے سعودیہ اور امارات میں رہنے پر مجبور ہیں) مجھے بتایا کہ ایران کے ایک اونچے درجے کے عالم ’آیۃ اللہ‘ محمد علی تسخیری، جو حکومت کے اہم ذمہ داروں میں شمار کیے جاتے ہیں، بھارت میں شیعیت کی تبلیغ و دعوت کے ذمہ دار ہیں۔ اور ہر مہینے کئی دن دلی کے ایرانی سفارت خانے میں قیام کرتے ہیں۔ راقم سطور نے بعد میں تحقیق کی تو پایا کہ ان کی اطلاع صحیح تھی۔ اور وہ بڑے پیمانے پر انجام دیے جانے والے شیعیت کی دعوت و تبلیغ کے کاموں کے نگراں اور ذمہ دار تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بھارت کے شیعہ علماء نے

* ناظم المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ، و دار العلوم الصفہ لکھنؤ

اپنے بیانات میں ان کو یہ خراج عقیدت پیش کیا کہ انہوں نے ”شیعیت کے فروغ کے لئے انتہائی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں“ (۱)۔

شیعیت کی اس دعوت کے لیے ایک بالکل متحدہ ومشترک طریقۂ کار اختیار کیا جارہا ہے۔جس کے دو نمایاں عناصر ہیں۔

۱۔صحابۂ کرام پر جھوٹے الزامات لگا کر ان سے سخت بدگمان ومتنفر کرنا۔

۲۔شیعیت اور شیعہ حضرات سے ایک خاص درجے کی محبت، بلکہ عظمت، اور اہل بیت کی محبت کے نام پر ان کے مسلک سے قرب وتعلق پیدا کرنا۔

پہلے عنصر کا حاصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام خصوصاً حضرت معاویہؓ کو شدت سے مطعون کیا جارہا اور ان کو منافق اور اسلام کا شدید دشمن بتایا جارہا ہے۔اور دوسرے درجے میں ان کے بعد حضرات خلفاء ثلاثہ کو شبہے اور شک کے دائرے میں لاکر ان پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ خلافت تو اصلاً حضرت علیؓ کا حق تھا، وہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے ”وصی“ تھے،جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کے لیے امت کا سربراہ اور حکمراں طے فرمایا تھا۔لیکن حضرت عمر اور حضرت ابوبکر اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے (معاذ اللہ سازش کرکے) ان کو خلیفہ نہیں بننے دیا۔سوشل میڈیا کے اس دور میں جب پروپیگنڈے کی رفتار،حجم اور تاثیر،سب ہی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں، ہر طرف یہ مہم جاری ہے۔یہ دعوت عرب میں بھی چل رہی ہے اور عجم میں بھی۔راقم سطور واقف ہے کہ مغربی ممالک میں بھی علم دین اور تحقیق کے متعدد مدعی اس کی سرگرم دعوت دے رہے ہیں۔اس طرح شیعیت اس وقت ایک زندہ دعوت وتحریک ہے،جس سے اسلام اور اہل اسلام کا سامنا ہے۔

اصل اور حقیقی خطرہ:

بہرحال اصل خطرہ جو درپیش ہے، وہ یہی ہے کہ شیعیت کے ان داعیوں کے ذریعہ پیش کیے جانے والے بے بنیاد شبہات واعتراضات ناواقف اور کم علم عوام کو دھیرے دھیرے شیعیت کی طرف لے کر بڑھ رہے ہیں۔اور اس سفر کی منزل شیعہ مذہب میں مکمل داخلے کے سوا کچھ اور نہیں۔اور اس تحریک کا مقصد ومطمح نظر بھی یہی ہے۔ذرا غور فرمایئے۔اگر کسی شخص کا ذہن صرف اتنی سی باتوں کو قبول کرلے،جن کو یہ لوگ پیش کررہے ہیں،تو پھر دین کی کس بات پر اطمینان کیا جاسکتا ہے؟ حضرت ابوبکر وعمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت پر سارے صحابہ راضی رہے۔سب نے اس کو قبول کیا۔خلفاء ثلاثہ کے ہر کام میں کبار صحابہؓ شریک کار اور معین ومددگار تھے

(1) https//:ur.hawzahnews.com/news/362129

اس طرح یہ حضراتِ اکابر بھی اس ''ظلم'' میں شریک رہے۔ ان سے بھی کبھی نہیں سنا گیا کہ وہ اس ''خیانت وظلم'' سے بیزار ہوں اور کہتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو امت کا نگراں، مرجعِ کل اور قائد وامام علیؓ کو بنایا تھا، تم کیوں امت اور دین کو غلط ہاتھوں میں دیے ہوئے ہو؟

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ انہی صحابہؓ کے ذریعے امت کو دین ملا، انہی حضرات کی خلافت کے دور میں اور انہی کی زیر نگرانی صحابۂ کرامؓ نے قرآن ایک کتاب کی شکل میں لکھوایا اور ساری دنیا میں پھیلایا۔ انہوں نے ہی اس کی تفسیر وتشریح کی، اسلام کی شریعت وقانون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دینی ہدایات اور نصیحتیں انہوں نے ہی امت کو سنائیں۔ لہٰذا جو ذہن اوپر ذکر کی گئی باتوں پر کسی معمولی درجے میں بھی یقین کرتا ہوگا، لازماً، بالکل لازماً اور حتماً، ضرور شک میں پڑے گا کہ جن صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخصت ہوتے ہی 'دنیاوی حکومت واقتدار پر قبضے کی خاطر' رسول اللہ کے واضح احکام اور وصیت کا خون کیا اور اس کے لیے خود اسی رسول کے گھر والوں کے ساتھ ہر طرح کے مظالم بھی کیے، کیا پتہ قرآن میں بھی انہوں نے اپنے انہی دنیاوی مقاصد اور مفادات کی خاطر کچھ ملا نہ دیا ہو، یا کچھ چھپا نہ لیا ہو۔ (واضح رہے کہ صحابۂ کرامؓ پر ایسے جھوٹے الزامات ہی کا نتیجہ ہے کہ شیعہ مذہب میں قرآن کو تحریف شدہ اور غیر محفوظ مانا گیا ہے)۔

اس تحریک کے طریقۂ کار کا دوسرا عنصر یہ ہے کہ شیعہ حضرات، اور ان کے مسلک وفکر سے ایک خاص درجے کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور اس کے لیے وہی پرانا 'مجرب' عنوان اختیار کیا جارہا ہے کہ یہ مسلک 'اہلِ بیت' یعنی حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے محبت کا داعی ہے۔ ساتھ ہی عموماً یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ اہل سنت اس سلسلے میں بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور اپنے خاندان والوں کو جو مقام دینے کا حکم فرمایا تھا، امت نے ان کو وہ مقام نہیں دیا۔ ان کا حق مار لیا اور دوسروں کو دے دیا۔ تیسری صدی ہجری سے لے کر آج تک گزشتہ صدیوں میں جو لوگ شیعہ بنے ہیں، وہ (کچھ اور نہیں) بعینہ اسی ٹیکنک سے بنائے گئے ہیں۔ یہی شبہات، یہی بے بنیاد الزامات، یہی غلط فہمیاں۔

اس سلسلے میں ایک اور نفسیاتی حربہ اختیار کیا جارہا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایران کی شیعی حکومت اور اس کے قائدین سے، جو خالص مذہبی علماء ہیں، عقیدت ومحبت پیدا کی جارہی ہے۔ اس کے لیے بڑا آسان عنوان یہ ہے کہ یہی اکیلی حکومت اور جماعت ہے جو اسرائیل جیسے وقت کے سب سے بڑے ظالم وسفاک دشمن اسلام سے نبرد آزما ہے۔ اور اسی نے حماس کے مظلوم مجاہدین کی حمایت ومدد کی ہے(۱)۔

(۱ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔)

برصغیر میں تشیع کے اثرات اور علماء حق کی طرف سے ان کی اصلاح وازالہ کی کوششیں:

برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش میں بھی شیعیت کی تبلیغ ودعوت اور اہل سنت میں اس کی آبیاری کا ہمیشہ بڑی حد تک یہی طریقۂ کار رہا ہے۔ہم یہاں اس تحریک ودعوت، اس کے اہل سنت کے بھولے اور بے علم عوام میں اثرات نیز علماء حق کی اس کے تئیں ہمیشہ فکرمندی وسرگرمی کی مختصر تاریخ ذکر کرتے ہیں۔تاکہ عصر حاضر کے اہل علم اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری محسوس فرمائیں۔

ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے شکست کھائی اور اسے ایران میں پناہ ملی۔وہاں سے وہ واپس آیا تو شیعیت ساتھ لایا۔شیعہ علماء اور افواج وافسران کی ایک تعداد اور حرم کی خواتین بھی ساتھ آئیں۔انہی میں ایک بزرگ شیخ گدائی بھی تھے جو عہد اکبری میں پہلے شیخ الاسلام مقرر کیے گئے۔ہمایوں کا وزیر خاص بیرم خان بھی شیعہ تھا جو اکبر کا مربی واتالیق بھی تھا (رودکوثر: ۳۴)۔زبدۃ المقامات کے مصنف لکھتے ہیں:

> ارباب تشیع درآں بلاد درغایت حشمت وجاہ بودند وبہ سلطان تقرب تمام وقرابت داشتند۔وسلطاں نیز بہ دیں وارباب دیں درنہایت عداوت بود۔(صفحہ:۱۳۱)

ان ممالک میں اہل تشیع نہایت زور آور اور عہدوں پر فائز تھے۔بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام رکھتے تھے۔رشتے داری بھی تھی۔اور بادشاہ بھی دین اور اہل دین سے سخت عداوت رکھتا تھا۔

ایران سے آنے والے اہم ترین شیعہ علماء میں ایک شخصیت میر فتح اللہ شیرازی کی بھی تھی،جن کا دربار میں بڑا مقام واحترام تھا، یہ ایک بڑے شیعہ عالم وفلسفی تھے۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ اُن کا برصغیر کی علمی وفکری تاریخ میں بڑا مؤثر کردار رہا ہے۔۹۹۲ھ میں ایک بہت بڑے شیعہ عالم نوراللہ شوستری (بقول شیعہ مورخین) تبلیغ واشاعت مذہب کے لیے ہندوستان تشریف لائے۔خاموشی اور تقیہ کے ساتھ رہتے تھے۔اکبر نے ان کو لاہور کا قاضی مقرر کیا۔وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔شیعیت کی حمایت اور خصوصاً صحابۂ کرام پر الزامات واتہامات سے بھری تصانیف لکھیں۔اور خاموشی سے لوگوں میں پھیلاتے رہتے۔

صفحہ گذشتہ کا حاشیہ (۱) ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔اور نہ اس واقعے کا کہ تمام ہی مسلم حکومتوں کا رویہ نہایت ہی شرم ناک ہے۔اس کا کوئی دفاع نہیں کیا جاسکتا۔لیکن ایرانی حکومت اگر اسرائیل وامریکہ کے سامنے مزاحمت کا رویہ اختیار کرتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے واضح زیغ وضلال پر مبنی نہایت گمراہانہ عقیدہ ومسلک سے بھی اتفاق کرلیا جائے یا شیعیت کے عزائم اور اس پر قائم ایرانی حکومت کے اُن عزائم ومقاصد سے تغافل برتا جائے، بلکہ آنکھیں موندلی جائیں، جو یقینی طور پر دین اسلام اور مسلمانوں کے لیے کسی طور قابل برداشت نہیں ہوسکتے۔یہی عقل مندی، حقیقت پسندی اور انصاف کا تقاضہ ہے۔

ان تصانیف میں ایک مجالس المومنین ہے، جو شیعی مذہب کی دعوت واحقاق پر مشتمل ہے(۱)۔ ایک کتاب احقاق الحق نامی تصنیف کی جو ایران سے ۱۹ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مقدمہ میں (جو شہاب مرعشی کا لکھا ہے) مرقوم ہے کہ یہ بزرگ ملک ہند میں مکمل تقیہ کے ساتھ شافعی بن کے رہے۔ اور بالکل خفیہ طور پر اپنا کام کرتے رہے۔ اس مقدمہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب شوستری صاحب نے اپنے بعض احباب کو لکھا ہے کہ ''اس حقیر نے اپنی کتابوں پر اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ اور کسی کے سامنے یہ اظہار نہیں کیا ہے کہ یہ تصانیف میری ہیں''۔ پھر بادشاہ جہانگیر پر اور اس کی حکومت کے دروبست پر اس کی شیعہ بیوی نور جہاں اور اس کا خاندان پورے حاوی تھے، جس کا اعتراف خود اس نے تزک میں بڑی صراحت سے کیا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک ہند میں شیعی خیالات ومسلک تیزی سے عام ہونے لگے۔

اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کی کوششیں:

حکومت اور معاشرے میں شیعیت کے بڑھتے اثرات اور شیعی افکار اعقائد کے پھیلاؤ کی طرف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے توجہ فرمائی۔ اور مختلف سطحوں پر مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کا کارنامہ انجام دیا۔ اس دور میں ایک بڑا واقعہ یہ ہوا کہ مشہد کے ایک شیعی عالم نے ''ایک نہایت پرفریب اور سراپا تزویر'' رسالہ لکھا، جس کا حاصل خود حضرت مجددؒ کے لفظوں میں ''حضرات خلفاء ثلاثہ کی تکفیر اور حضرت عائشہؓ کی مذمت وتشنیع تھی''۔ اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا اور خصوصاً امراء وحکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کی خوب نشر واشاعت کی گئی۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے پہلے تو خواص کی مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کی تردید پر تقریریں فرمائیں۔ پھر ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے رد میں اپنا مشہور رسالہ ردّ روافض تحریر فرمایا۔ نیز اپنے بہت سے مکتوبات میں شیعیت کے اصول ونظریات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید اور اہل سنت کے افکار کی حمایت کے مضامین تحریر فرمائے۔ یہ خطوط لکھے تو کسی ایک شخص کو جاتے تھے، لیکن ان کی نقلیں حضرت کے تمام خلفاء کو پہنچتی تھیں جو سیکڑوں کی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف، مرجع عام بنے ہوئے، حضرت کی تجدیدی واصلاحی تحریک کے نمائندہ اور ترجمان ونقیب تھے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: شہید ثالث از عزیز لکھنوی اور اس کا مقدمہ، مطبوعہ معیار پریس۔ ومجالس المومنین، اردو ترجمہ، مطبوعہ عباس بک ایجنسی درگاہ حضرت عباس لکھنؤ۔

آگے بڑھیے! اب مغلیہ سلطنت کا آخری دور ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا زمانہ۔ حکومت پر بارہ شیعوں کا ایسا تسلط کہ بے چارہ بادشاہ 'شطرنج کے بادشاہ' سے زیادہ بے حیثیت۔ مغل شاہ زادوں میں شیعی رجحانات بڑھ رہے ہیں۔ اور امراء و وزراء میں تو بہت بڑی تعداد شیعوں کی ہے۔ ان کے زیر اثر طبقۂ خواص میں شیعیت کے فاسد عقائد پھیل رہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ اس دور میں اپنی کتاب المقدمۃ السنیۃ کی شکل میں ردالروافض کی شرح و تفصیل فرماتے ہیں، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین لکھتے ہیں۔ اور پھر اپنا شاہ کار ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آخر الذکر کتاب میں اہل سنت کے موقف کے حق میں قرآن وسنت کے دلائل اور عقلی شواہد کا ایسا انبار لگا دیا ہے کہ بے اختیار قاری مصنف کی وسعت علم، ذہانت اور نکتہ رسی پر عش عش کر اٹھتا ہے۔

لیکن اس کے بعد بھی ضرورت پڑتی ہے کہ ان کے صاحب زادے اور جانشین شاہ عبدالعزیز شیعیت پر ایک عام فہم کتاب 'تحفۂ اثنا عشریہ' لکھیں، جو اس سلسلے میں امتیازی شان رکھتی تھی۔ اس کام کی ضرورت کیا اور کس درجے کی تھی؟ ''اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ بارہویں صدی ہجری کے وسط واواخر (اٹھارہویں صدی کے نصف آخر) کے ہندوستان بالخصوص شمالی ہند، دہلی اور اس کے اطراف اور اودھ، بہار و بنگال کے مسلم معاشرے کی صورت حال پر نظر نہ ہو۔۔۔۔ اور مسلمان خاندانوں بالخصوص شرفاء، اہل حکومت اور صاحب اثر طبقہ پر تشیع کے اثرات اور اس کے اقدامی و جارحانہ رویہ سے واقفیت نہ ہو'' (۱)۔ اس کا اندازہ وہ شخص نہیں کرسکتا جو دربار دہلی اور ریاستوں میں ایرانی النسل شیعہ علماء و امراء کے اثر و نفوذ، پھر حسن علی خاں، حسین علی خاں اور نواب نجف علی خاں کے تسلط کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہو۔ (۲) شیعیت کس قدر عام ہو رہی تھی اور اس کے اثرات کس تیزی سے پھیل رہے تھے، اس کا اندازہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس بیان سے بخوبی ہوسکتا ہے:

> اس ملک میں مذہب اثنا عشری کا رواج اور اس کے پھیلاؤ کی نوبت اس حد تک آگئی ہے کہ (سنیوں کے) کم گھر ایسے ہوں گے جن میں ایک دو شخص اس مذہب کے پیرو اور اس عقیدے کی طرف مائل و راغب نہ ہوں۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص: ۳، مطبوعہ نول کشور لکھنو)

واضح رہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا قلم نہایت محتاط اور مبالغے سے خالی قلم ہے۔ تحفۂ اثنا عشریہ نہایت نرم اور

---

(۱) انور ٹڈ کاموں میں عبارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۵ / ۳۶۲ / ۳۶۳)

(۲) حوالہ بالا

مہذب زبان میں لکھی گئی ہے۔لیکن اس دور میں شیعیت کی زور اور شیعہ امراء کا خوف اس قدر تھا کہ شروع میں کتاب ایک فرضی نام سے شائع کرنی پڑی تھی۔شیعہ مورخ محمد حسین نوگانوی لکھتے ہیں کہ:

اس عہد میں نواب نجف علی خاں صاحب مرحوم کہ جو دلی میں ''رکن اعظم اور شیعۂ کامل'' تھے، ان کے خوف سے شاہ صاحب نے اپنا نام اس میں نہ لکھا بلکہ ایک فرضی نام غلام حلیم تراش کر ظاہر کیا''

(تذکرۂ بے بہا: ۱/ ۳۳۴)۔

بلاشبہ یہ ان علماء و مجددین کی خداداد عزیمت تھی کہ ایسے نازک زمانوں میں امت کو ضلالت و انحراف سے بچانے کے لیے انہوں نے ہر طرح کے خطرات کے باوجود اپنا فرض ادا کیا۔

پھر تجدید و احیاء دین کے میدان میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ کا دور آتا ہے۔شیعوں کی طرف سے سوالات، مناظرات، عوامی اشتہارات اور چیلنج کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو دونوں بزرگ اپنے دیگر کاموں کو مؤخر کر کے ان کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ہدایۃ الشیعہ اور ہدیۃ الشیعہ نامی کتابیں تصنیف اور شائع کی جاتی ہیں۔

اس سلسلے کی سنہری کڑی امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ ہیں۔جنہوں نے اس موضوع پر اتنا کام کیا کہ کم از کم ان سے پہلے تو کسی نے نہ کیا ہوگا۔ان کی ذات تحفظ اسلام کی ایک مسلسل تحریک تھی، جس کے ذریعے علاقۂ اودھ میں مسلمان گمراہی سے بچ گئے۔

ائمۂ اہل سنت کی ان پے بہ پے کوششوں سے مسلمانوں کی اکثریت شعوری سطح پر تو شیعیت اختیار کرنے سے بچی رہی لیکن دو چیزیں مستقل قائم رہیں: ایک شیعیت کی دعوت و تحریک اور اس کی لگاتار سرگرمی و نفوذ۔اور دوسرا بھولے بھالے، دین سے کم واقف مسلمانوں میں شیعی میلانات اور رسوم و بدعات و خرافات۔

صدیوں پہ پھیلی، اہل سنت علماء کی کاوشوں اور دفاع اسلام کے لیے ان کے مجاہدوں کی یہ تاریخ نہایت اختصار کی کوشش کے باوجود طویل ہوئی جا رہی ہے۔لیکن ہم اس کا تذکرہ اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل علم خیال فرماسکیں کہ ہر دور میں شیعیت کی گمراہ کن دعوت سرگرم رہی ہے اور دین کے صحیح شعور و علم سے خالی عوام میں معلوم فطری اسباب کے زیر اثر اس کی طرف میلان اور اس کے قبول کرنے کا رجحان ہمیشہ رہا ہے۔اور وہ اس کا بھی اندازہ فرماسکیں کہ ہمارے موجودہ دور میں درپیش خطرے کے نتائج کہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔

ایران کا شیعی انقلاب اور اس کے اثرات:

ہمارے دور میں اس تحریک و دعوت کو ایک نئی جہت اور نیا محرک ملا ہے۔۱۹۷۹ء میں ایران میں

روح اللہ خمینی کی قیادت میں انقلاب کے بعد اہل سنت میں شیعیت کے لیے زمین تیار کرنے کا کام ایک نئے زور وشور سے شروع ہوا۔ ایرانی حکومت نے اپنے وسائل کے ساتھ بڑی ''حکمت'' کے ساتھ یہ کام شروع کیا تھا۔ برصغیر میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو اس خطرے کا (غالباً) سب سے پہلے ادراک واحساس ہوا۔ اپنے ملک بھارت اور پاکستان و بنگلہ دیش میں وہ دیکھ رہے تھے (جیسا کہ انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے) کہ؛ ایرانی سفارت خانوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ روح اللہ خمینی کی شخصیت اور ایرانی انقلاب کی ''خالص اسلامیت'' کے بارے میں غیر معمولی پروپیگنڈا کیا جارہا تھا۔ اور اس کے لیے کانفرنسوں پر کانفرنسیں ہورہی تھیں۔ جن میں دنیا بھر کے ملکوں سے ایسے نمائندے اور افراد بلائے جاتے تھے، جن سے متأثر ہونے اور اپنے مقصد میں کارآمد ہونے کی توقع ہوتی تھی۔ مختلف زبانوں اور ملکوں میں بے شمار لٹریچر کا سیلاب لا دیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی حکومت اس پروپیگنڈے پر پانی کی طرح دولت بہارہی ہے۔ چھوٹے چھوٹے گاووں تک اس سلسلہ کا مواد پہنچ رہا تھا۔ ہم جیسوں کو حیرت ہوگی، لیکن پروپیگنڈا اس حد تک غیر معمولی تھا، کہ حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''کم از راقم سطور نے اپنی ۷۰ سالہ شعوری زندگی میں نہیں دیکھا کہ کسی حکومت یا سیاسی پارٹی کی طرف سے ایسے وسیع پیمانے پر اور ایسا فن کارانہ اور مؤثر پروپیگنڈا کیا گیا ہو''۔

پھر فرمایا ہے کہ بارش کی طرح برسنے والے اس پروپیگنڈے سے کلمۂ اسلام کی سربلندی اور ''اسلامی حکومت'' کے قیام کی تمنا اور خواہش رکھنے والے ہر اس شخص کا متأثر ہونا فطری بات ہے جو شیعیت کی تاریخ سے اور خمینی اور ان کے برپا کردہ انقلاب کی اُس فکری و مذہبی بنیاد سے واقف نہ ہو، جو خود خمینی صاحب نے اپنی تصانیف خصوصاً 'ولایۃ الفقیہ أو الحکومۃ الاسلامیہ' میں پوری وضاحت سے بیان کردی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت شیعوں کے عقیدۂ امامت پر قائم ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں صرف شیعوں کے ائمہ ہی ریاست کے حکمراں ہوسکتے ہیں۔ ہاں، جب تک امام غائب نہ ظاہر ہوں اس وقت تک ''ولایت فقیہ'' کے نظریے کے مطابق خمینی صاحب اور ان کے بعد خامنہ ای صاحب (یا جو بھی ان کا قائم مقام طے ہو) امام غائب کے نائب اور سارے مسلمانوں کے واحد جائز حکمراں ہیں۔ اور ان کو انتظام اور حکومت کے وہ تمام اختیار حاصل ہیں جو امام غائب کو شیعی مذہب میں حاصل ہیں۔

اس لٹریچر سے واضح ہوتا ہے کہ ایرانی حکومت کی فکری اساس یہ ہے کہ وہ 'ولایت فقیہ' کی حکومت وانقلاب کے ذریعے امام غائب کی آمد کے لیے زمین ہموار کرے۔ جو، ان حضرات کے عقیدے کے مطابق، مکہ میں آئیں گے اور ایسے وقت آئیں گے جب وہاں شیعوں کا غلبہ واکثریت ہوگی۔ وہ ان سے اپنی بیعت لیں

گے اور ان کو ساتھ لے کر منافقوں اور ان سب لوگوں کو قتل کریں گے جو ان کی امامت نہیں مانتے (یعنی سنی) ہیں۔ پھر وہ، معاذ اللہ، حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو ان کی قبروں سے نکال کر زندہ کریں گے اور ان کو سزائیں دیں گے اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی قبر سے نکال کر ان کو (معاذ اللہ) زنا کی سزا دیں گے۔ یہ تھا وہ نظریہ جس پر انقلاب ایران قائم تھا۔

ایک طرف یہ حقائق تھے۔ اور دوسری طرف اہل سنت کا دینی طبقہ بھی نہ شیعیت سے واقف اور نہ ایرانی انقلاب کے پس پردہ عزائم ومقاصد سے۔ حضرت مولاناؒ نے یہ بھی بڑی فکر مندی کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک ایسے خاص حلقہ کے زعماء اور اکابر کی طرف سے، جس کو اُس حلقے سے تعلق رکھنے والے لوگ 'دین کامل' کی واحد علم بردار جماعت سمجھتے ہیں، اپنے نشر واشاعت کے وسیع ذرائع سے، ایرانی انقلاب کے خالص اسلامی انقلاب اور اس کے قائد روح اللہ خمینی کے ملت اسلامیہ کے مثالی رہنما اور امام المسلمین ہونے کے بارے میں ایسا پروپیگنڈا کیا گیا کہ پورے برصغیر کی فضا اس پروپیگنڈے سے گونجنے لگی۔ اور خاص کر کالجوں، اسکولوں میں تعلیم پانے والے جذباتی نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد نے پوری طرح اس کو قبول کرلیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ اس میدان میں مذکورہ جماعت کے ان اکابر وزعماء سے بھی بہت آگے نکل گئے اور خمینی صاحب کے گویا نقیب اور ان کے لشکر کے گویا سپاہی بن گئے (الفرقان، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء)۔ شیعیت کی یہ دعوت بین الاقوامی سطح پر کس سرگرمی سے جاری تھی اور اس کا دائرہ کس قدر وسیع تھا، آج کے لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایرانی حکومت کے سفارت خانے جہاں بھی ہیں، وہ اب شیعیت کی دعوت وتبلیغ کے مرکز کے طور پر کام کررہے ہیں۔ اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ ایرانی حکومت جنگی محاذ ہی کی طرح اس دعوتی اور تبلیغی محاذ پر بھی بے حساب وبے دریغ دولت صرف کررہی ہے۔ نیز ایران سے تربیت یافتہ داعی بھیجے جارہے ہیں اور اس دعوتی مہم کے سلسلے میں شیعہ مذہب کے اصول تقیہ کا بڑی مہارت سے استعمال کیا جارہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بعض ملکوں میں ناواقف مسلمان خاص کر نوجوان تیزی سے شیعہ مذہب قبول کررہے ہیں۔ اس صورتِ حال کے علم میں آجانے کے بعد اس عاجز نے فرض سمجھا کہ گمراہی کے اس سیلاب سے امت محمدیہ کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے جو کچھ اپنے سے کیا جاسکتا ہو، وہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ورحمت سے امید کی جائے کہ وہ اپنے وعدے اور اپنی سنت ازلیہ کے مطابق اپنے ان بندوں کی مدد فرمائے گا، جو اس مقصد کیلئے جدو جہد کریں گے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ'' (الفرقان اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء)۔

حضرت مولاناؒ کے پاس دنیا کے مختلف ممالک، امریکہ، کناڈا جنوبی افریقہ اور نیوزی لینڈ وغیرہ سے وہاں کی ذمہ دار شخصیتوں اور اہل علم کے مسلسل خطوط اور اطلاعات آرہی تھیں کہ اہل سنت میں شیعیت کی تبلیغ بڑی پرکاری اور مہارت کے ساتھ جاری ہے۔ اور لوگ باقاعدہ شیعہ مذہب قبول کررہے ہیں۔ ان اطلاعات کا تذکرہ انہوں نے الفرقان کے مختلف مضامین میں اور اپنی کتاب (ایرانی انقلاب) کے پیش لفظ میں بھی کیا ہے۔ ہم ان میں سے صرف ایک خط کے الفاظ نقل کرتے ہیں، معروف مصنف ڈاکٹر حبیب الحق ندوی جنوبی افریقہ کی ڈربن یونیورسٹی میں شعبۂ عربی وفارسی کے سربراہ تھے۔ انہوں نے اپنے خط میں حضرت کو لکھا کہ:

شاید اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ مختلف ممالک میں سنیوں کو شیعہ بنانے کا عمل کس زور وشور سے جاری ہے۔ کم ازکم اس ملک (جنوبی افریقہ) میں ایک جماعت نے اعلان کردیا ہے کہ وہ سنی عقائد سے دست بردار ہوکر شیعی عقائد پر ایمان لاتی ہے۔ (ایرانی سفارت خانے کی طرف سے) ان کے لیے ایک پروپیگیشن سنٹر (شیعیت کی تبلیغ ودعوت کا مرکز) بھی فراہم کردیا گیا ہے۔ تاکہ سو فیصد سنی آبادی میں تشیع کی تبلیغ کی رفتار تیز کردی جائے۔ بعض ممالک میں ایرانی سفراء امام خمینی کے ہاتھ پر سنیوں سے بیعت بھی لے رہے ہیں۔ یہ خبر مزید تشویش ناک صورت حال اختیار کرتی جارہی ہے۔

(الفرقان مئی تا جولائی ۱۹۸۸ء)

ایرانی حکومت انقلاب کے بعد سے ہی علانیہ ''تصدیر الثورة'' (یعنی دوسرے ممالک میں شیعی انقلاب برپا کرنے) کو اپنا ہدف ومقصد اور ریاست کی بنیادی پالیسی بنائے ہوئے تھی۔ خود انقلاب کے قائد اور ایرانی صدور بار بار کہتے تھے کہ ہمیں اپنا انقلاب دوسرے ممالک تک پہنچانا ہے۔ انقلاب کے اگلے ہی سال ۲۱ مارچ ۱۹۸۰ء کے اپنے عمومی خطاب میں خمینی صاحب نے کھل کر ایرانی حکومت اور عوام کو یاد دلایا کہ ''ہمیں اپنے انقلاب کو دوسرے ممالک تک پہنچانے کے لیے اپنی آخری حد تک کوششیں کرنی ہیں۔ ہرگز یہ خیال نہ رکھا جائے کہ ہمارا انقلاب صرف ایران کی سرحدوں کے اندر محدود ومحفوظ رہے(۱)۔

ان خطرناک حقائق نے حضرت مولاناؒ کو بے چین کردیا۔ اس بے چینی اور فکرمندی نے ان کے بیماریوں

(1) https//:pulpit.alwatanvoice.com/articles/2008/05/18/133780.html۔

ہر انقلابی تحریک یا حکومت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تحریک یا انقلاب کی توسیع کی کوشش کرے۔ ہم اس پر کوئی تنقید نہیں کررہے، بس یہ چاہتے ہیں کہ اہل سنت عوام ایران اور شیعیت کے عزائم ومقاصد کو، جو یقیناً اس عقیدے کے فطری نتائج اور شیعوں کے بالکل ''فطری عزائم ومقاصد'' ہیں، سمجھیں اور جانیں اور کسی غفلت اور دھوکے میں نہ رہیں۔

سے زار نزار جسم میں ایک نئی حرکت وقوت اور فکر ومطالعہ کی نئی صلاحیت پیدا کردی۔ اور وہ اپنے ضعف اور امراض وعوارض کو نظر انداز کرکے انقلاب، اس کے قائد اور شیعیت کے مطالعے میں پوری طرح مصروف ومشغول ہوگئے (۱)۔ اس مطالعے نے ان کے اندر شدید داعیہ پیدا کیا کہ پورے عالم اسلام میں اہل سنت کو، خصوصاً ان کے علماء کو اس خطرے سے واقف کرایا جائے جو اسلام کو شیعیت اور ایرانی انقلاب سے درپیش ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کی معرکۃ الآراء کتاب ایرانی انقلاب، خمینی اور شیعیت، شائع ہوئی۔

حقیقت سے اہل علم بھی ناواقف:

الفرقان میں جب کتاب کے کچھ ابتدائی حصے شائع ہوئے تو اچھے اچھوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ پتہ چلا کہ بے شمار ایسے لوگ، جو اہل علم بھی تھے اور حالاتِ دنیا سے واقف بھی، شیعی مذہب سے واقف نہ ہونے کے نتیجے میں دھوکے میں تھے۔ ان بہت سے اہل علم ودانش میں مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ جیسا محقق عالم ودانش ور بھی تھا۔ جو بجا طور پر برصغیر میں شبلی وسلیمان کے رنگ کا مصنف اور وسیع الفکر محقق جانا جاتا تھا۔ جو ایک طرف حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا خاص شاگرد، دوسری طرف کناڈا کی مک گل یونیورسٹی کا پروفیسر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف تھیولوجی کا ڈین رہ چکا تھا۔ وہ بھی خمینی صاحب سے بہت متأثر تھے۔ برہان کے اداریوں میں انہوں نے بارہا ایرانی انقلاب کا استقبال کیا تھا اور اس کی بہت تعریفیں کی تھیں۔ مگر الفرقان میں کتاب کی کچھ ابتدائی قسطیں ہی پڑھی تھیں کہ ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور (انہوں نے غلطی پر تاویل کا پردہ ڈالنے اور چھپانے کے بجائے علمی ودینی امانت کا اظہار کرتے ہوئے) برہان ہی میں صاف لکھا کہ ان سے رائے قائم کرنے میں غلطی ہوئی۔ اور اب وہ اپنے موقف سے رجوع کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ حضرت مولانا نعمانیؒ کے ''یہ مضامین اس درجہ اہم اور بصیرت افروز ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد، میں نہیں سمجھتا کہ، کوئی صحیح العقیدہ مسلمان ان سے اختلاف کی جرأت کرسکتا ہے'' (برہان، اکتوبر ۱۹۸۴ء)۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، کا تذکرہ تو بس ایک بڑی مثال کے طور پر کیا گیا۔ ورنہ صورت حال یہی تھی کہ ساری سنی دنیا ہی خطرناک حد تک ناواقف تھی۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ (جیسا کہ حضرت مولانا نے لکھا ہے کہ) ہمارے اس دور میں علماء اہل سنت میں بھی شاذ ونادر ہی ایسے حضرات ہیں جن کو شیعہ مذہب کے بارے میں ایسی واقفیت ہو، جس کو واقفیت کہا جاسکے۔ اور جب علماء کا یہ حال رہا تو طبقۂ عوام اور عصری تعلیم یافتہ لوگوں

(۱) از مقدمۂ کتاب، بقلم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

کا کیا ذکراور کسی سے کیا شکایت؟ (۱)۔اللہ تعالیٰ نے کتاب کو اس قدر تیز رفتار مقبولیت عطا فرمائی کہ ہم نے اپنی زندگی میں کسی دینی کتاب کو اس رفتار سے پھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔کتاب کا عربی، انگلش، فرنچ اور دیگر زبانوں میں ترجمہ شائع ہوا اور وہ بلا مبالغہ، دو تین مہینوں میں ہی، لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں پھیل گئی۔

شیعیت کے بارے میں علماء اسلام کا متفقہ فیصلہ:

کتاب کے ساتھ ہی حضرت مولانا نے، خصوصاً، برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش اور ان کے سلسلے کے علماء جو مغربی ممالک میں آباد تھے، ان کو اپنی کتاب ارسال کی۔اس کے بعد شیعی عقائد پر ایک مفصل استفتاء پیش کیا۔ جس پر بالاتفاق سارے علماء اور اہل سنت کے تمام اہم اداروں اور علمی و دینی مراکز نے شیعیت کے ''کفر'' کا فتویٰ دیا۔حضرت مولاناؒ کا یہ استفتاء خود ان کے وسیع و عمیق علم ،فکر و نظر اور مؤثر و واضح طرز تحریر کا ایک قابل دید شاہ کار ہے۔پھر اس پر حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمی اور دیگر متعدد کبار علماء کے تحقیقی و تفصیلی فتاویٰ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، ندوۃ العلماء، جامعہ سلفیہ، بریلی کا مرکزی دارالعلوم، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، سمیت برصغیر میں دینی علم کا شاید کوئی قابل ذکر مرکز ایسا نہیں جس نے بلا تردد و اشتباہ اس پر اپنی تائید ثبت نہ کی ہو اور جس کی تصدیق اس میں شامل نہ ہو۔جن علماء و اصحاب افتاء کے دستخط اس پر ثبت ہیں، ان کی تعداد ۱۴۰۰ سے متجاوز ہے۔ہم پوری احتیاط کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ اسلام میں شیعیت کی حقیقت کا ایسا وافی و شافی اور مختصر و جامع تعارف، اس سے پہلے کبھی نہیں ہو سکا تھا۔اور علماء اسلام نے شیعیت کے سلسلے میں، اس بڑے پیمانے پر، ایسا متحد اور دوٹوک موقف کبھی نہیں اختیار کیا تھا۔

ایک تجدیدی کارنامہ:

اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو بلند درجات عطا فرمائے، اس نازک تاریخی موقع پر (جب پورے عالم اسلام میں شیعی انقلاب برپا کرنے کی سازش رچی جا چکی تھی) اس مرد دانا نے تن تنہا امت کو اس حقیقت سے ہوشیار کیا۔اس دور کے حالات پر نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں یہ ایک غیر معمولی کارنامہ تھا۔اس درجہ کہ کبار علماء اس کو

---

(۱) اس کی وجہ یہ تھی کہ شیعہ حضرات کے مذہب کا (تقیہ کے علاوہ، ایک الگ اور مستقل) اہم اصول کتمان ہے۔اسی لیے کبھی ان کے مذہب کی کتابیں اہل سنت علماء کو نہیں مل سکیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے لے کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تک سب نے بس ان کے مذہب کی انہی باتوں کی تردید کی ہے جو خود شیعہ صحابہ پر طنز و تشنیع یا اہل سنت کو شیعیت کی دعوت دینے کے سلسلے میں لکھتے آئے ہیں۔ان کے اصل عقائد و افکار پردہ ہی میں رہے۔حضرت نانوتویؒ نے ''ہدیۃ الشیعہ'' کے مقدمہ میں اس صورت حال کا شکوہ بھی کیا ہے۔البتہ جب پریس کا دور آیا تو صورت حال یہ نہیں رہی۔

ایسا تجدیدی کارنامہ قرار دیتے ہیں، جس نے ایک بہت نازک موقعے پر دین کی حفاظت کی اور امت اسلمہ کو انحراف سے محفوظ رکھا۔ پاکستان میں مختلف جماعتوں اور دینی مراکز نے حضرت مولاناؒ کا یہ سارا مواد شائع کیا۔ ان میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن بھی شامل تھا، جو پاکستان کا سب سے اہم دینی مدرسہ اور اہل حق کا مرجع ہے۔ رسالہ بینات کے اسی خاص نمبر میں جس میں یہ سارا مواد شائع کیا گیا تھا، اس کے مدیر، عظیم عالم دین اور بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

> یہ پندرہویں صدی کے اوائل میں وہ خاص تجدیدی کارنامہ ہے، جس کی توفیق، حق تعالیٰ شانہ نے ہمارے مخدوم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کو ارزانی فرمائی ہے۔

ہم نے شیعیت کی دعوت وتبلیغ اور ائمۂ اہل سنت کی اس سلسلے میں حساسیت وفکر مندی کی یہ تاریخ اس لیے ذکر کی ہے کہ اچھے خاصے دینی علم سے آشنا لوگوں کی بھی اکثریت نہ اس تاریخ سے واقف ہے اور نہ اس کا شعور رکھتی ہے کہ اس وقت اہل سنت میں شیعیت کی دعوت اور سادہ مسلمانوں کے ذہنوں میں اسکی گنجائش پیدا کرنے کی کوششیں کس کس رنگ میں جاری ہیں۔

موجودہ صورت حال اور اس کا تقاضہ:

یہ حقیقت ہے کہ؛ اس دور میں بڑے فن کارانہ طریقے پر اہل سنت میں شیعیت کے لیے زمین کی تیاری کا کام کیا جارہا ہے۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں اس کے محرکات معلوم نہیں، نہ یہ معلوم کہ ان کوششوں میں کوئی رشتۂ وحدت ہے جو ان سب کو ایک معلوم نقشہ پر چلا رہا ہے۔ لیکن یہ طے ہے کہ ان کوششوں میں حیرت ناک حد تک توافق ہے۔ کبھی بالکل صراحت اور شدت سے بات کی جاتی ہے اور اگر اندازہ ہو کہ بات اگر صاف صاف کہی جائے گی تو سادہ وکم علم سنّی عوام کو 'ہضم' نہیں ہوگی، تو ذرا ہلکے اور اشاروں کی زبان میں کہی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال میں ہمارے علماء کو چند کاموں کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(ا) صحابہ کرامؓ کا دفاع:

اس صورت حال کا تقاضہ ہے کہ ہمارے علماء اپنی دینی ذمہ داری اور مسئولیت کا احساس فرمائیں اور عوام کے مختلف طبقات کو ان کی حیثیت کے مطابق صحیح عقائد سے باخبر کریں۔ صحابۂ کرام کے مقام ومرتبہ کا جو اظہار قرآن مجید نے مختلف آیات میں فرمایا ہے، اس کا اظہار کریں۔ خصوصاً خلفاء راشدین کا جو اعلیٰ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اس کی روشنی میں ان کے اقدامات، اعمال اور فیصلوں کی صحیح تصویر پیش کریں۔ ان پر بد دیانتی، اسلام اور امت کی بدخواہی اور اقتدار کی طلب یا خیانت وغیرہ کے شیعی شبہات کا اس طرح رد کریں

کہ علم و عقل کی روشنی میں وہ تہمتیں کذب و دجل نظر آنے لگیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی؟ حضرت عمرؓ کا مقام کیا تھا؟ یہ دونوں حضرات گویا آں حضرت ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کی نیابت و جانشینی کے لیے متعین تھے۔ اور صحابۂ کرامؓ نے بھی کبھی ان دونوں کا ہم سر کسی کو نہیں جانا۔

(۲) حضرت معاویہؓ کی برأت اور ان کے فضائل و کمالات کا اظہار:

شیعی دعوت کی یہ تحریک سب سے زیادہ سیدنا حضرت معاویہؓ کو نشانہ بناتی ہے۔ اس لیے ہم یہاں ان پر لگائی جانے والی تہمتوں اور الزامات کی تردید کے بارے میں چند اصولی نقاط ذکر کرنا مفید سمجھتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک ان سے غلطی ہوسکتی ہے۔ حضرت علیؓ کے حق سے زیادہ قریب ہونے کے باوجود، ضروری ہے کہ واضح کیا جائے کہ انہوں نے جو کیا، اسی کو دینی اعتبار سے صحیح سمجھا۔ وہ اس میں بالکل عنداللہ وعندالمؤمنین معذور تھے۔ ان کی رائے غلط تھی، کوئی گناہ نہیں تھا۔

حضرت معاویہؓ پر اعتراضات عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں۔ یا منکر و موضوع اور بے اصل روایات ہوتی ہیں۔ دجل و تلبیس کا حال یہ ہے کہ موضوع و باطل روایات کو صحیح کہہ کر پیش کیا جارہا ہے۔ اور یہ طریق واردات تو بہت عام ہے کہ تاریخی کتابوں میں جو ابومخنف، عمر ابن سعد، ھشام بن محمد کلبی جیسے جھوٹے رافضی راویوں کی روایات کو صحابہؓ پر الزام اور ان کی کردار کشی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ اور بڑے طمطراق سے یوں کہا جاتا ہے کہ: یہ اہل سنت کی معتبر کتابوں کے بیانات ہیں۔ اب عوام بے چارے کیسے کنفیوز نہ ہوں؟

ان کا حل یہ ہے کہ ان کا بطلان اور خلاف واقعہ ہونا واضح کردیا جائے۔ سند کے علاوہ اہل علم اگر حالات و واقعات کی روشنی میں بھی جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ باتیں بالکل محال اور ناممکن الوقوع ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت معاویہؓ کے دور میں وہ اور ان کے امراء مسجدوں کے منبروں سے حضرت معاویہؓ کے حکم سے حضرت علیؓ کو گالیاں دیتے تھے۔ یہ بات صراحت کے ساتھ دنیا میں کہیں صحیح سند سے نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ یہ ایسی محال بات ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کہیں اس صورت حال پر ناراض نہیں ہیں۔ دونوں حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں اور ہدیے اور تحفے قبول فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے دوسرے بہت سے ساتھی، مثلاً ان کے دست راست اور بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت معاویہؓ کا بہت اکرام کرتے اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ تو یا تو یہ مانا جائے کہ یہ سب حضرات غیرت مندی اور شرافت کے کسی ادنیٰ حصے سے بھی محروم تھے، کہ اپنے منہ پر اپنے باپ کو برا بھلا کہلواتے تھے اور پھر دربار میں حاضر ہوتے اور ہدیے قبول کرتے تھے۔ یا تو یہ تسلیم کیجیے۔ اور یا پھر ان روایتوں

کو ابو مخنف وغیرہ جھوٹے راویوں کی بکواس سمجھا جائے۔

ان شبہات کی ایک اور قسم یہ ہوتی ہے کہ کسی روایت یا واقعے میں کوئی قابل اعتراض بات یا قباحت نہیں ہوتی۔ مگر اس میں تحریف وتلبیس کے ذریعے غلط معنیٰ پیدا کیے جاتے ہیں۔ اس طرح عوام اور کچے علم وفہم کے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس تحریف وتلبیس کے لیے روایتوں میں کتر بیونت تک کی جاتی ہے۔ یہ خطرناک فتنہ اس حد تک پہنچ رہا ہے کہ بعض مدرسوں کے فارغین ایسی حرکتیں کر رہے ہیں۔

اہل سنت کا یہ موقف کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف رائے کا اور اجتہادی اختلاف تھا اور حضرت معاویہؓ کی غلطی صرف رائے اور اجتہاد کی غلطی تھی، نہایت مضبوط علمی دلائل پر مبنی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی کہ صحابۂ کرامؓ کی اکثریت نے اس وقت کسی کا ساتھ نہ دے کر علیٰحدہ بیٹھ رہنے کو ضروری سمجھا۔ اگر مسئلہ کسی خالص حق وباطل کا ہوتا اور اس میں کسی رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تو صحابۂ کرام ہرگز یکسو اور کنارہ کش ہو کر نہ بیٹھتے۔

بلکہ حقیقت اس سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو حکم دیا تھا کہ تمہاری زندگی ہی میں فتنہ کی جنگیں واقع ہوں گی۔ ایسا اس وقت ہوگا جب مسلمان آپس میں لڑ پڑیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ جب ایسا ہو تو تم گھر بیٹھ رہنا اور کسی کا ساتھ مت دینا۔ صحابہؓ اس وقت ہزاروں کی تعداد میں تھے، مگر سوائے ۲۰، ۳۰ لوگوں کے سب صحابہؓ نے ان جنگوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور حضرت علیؓ کی طلب اور حضرت معاویہؓ کی خواہش کے باوجود دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور پوچھنے والوں کو ان صحابہ نے یہی بتایا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ ان فتنہ کی جنگوں میں کسی کا ساتھ نہ دینا۔ یہ روایات اتنی تعداد میں ہیں اور صحیح ہیں کہ حضرات شاہ ولی اللہؒ نے ان کو متواتر قرار دیا ہے۔

(۳) شیعی اعتراضات کا رد:

ناظرین کرام واقف ہیں کہ شیعیت کی دعوت (بظاہر) دلیل اور کتابوں کے حوالے پیش کرتی ہے۔ عوام بلکہ کچے علم والے بھی ان سے متاثر اور مرعوب ہوتے ہیں اور شبہے میں پڑتے ہیں۔ یہ بے چارے ان دلائل کی جانچ پڑتال اور ان حوالوں کی تحقیق تو کر نہیں سکتے، ان کے لیے ضرورت ہے کہ عام فہم اسلوب وزبان میں ان اعتراضات کی حقیقت واضح کی جائے۔ یہ تحریک سوشل میڈیا پر سب سے زیادہ سرگرم ہے۔ اس لیے نوجوان علماء کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ یہ ان کا میدان ہے۔

لیکن اس سلسلے میں بہر حال یہ ضروری ہے کہ بات مدلل کہی جائے۔عمومی فضائل، اقوال سلف اور عقیدہ کا بیان عام حالات میں کافی ہوتا ہے۔لیکن جب تلبیس کے ساتھ یا غلط استدلال کے ساتھ کسی غلط عقیدے یا فکر کی دعوت دی جائے اور شبہات واعتراضات پیش کیے جائیں، تو ضروری ہو جاتا ہے کہ دلیل وحجت سے بات کی جائے اور حق کے مخالف موقف کی کمزوری واضح کی جائے۔الحمد للہ ان افتراءات وتلبیسات کی تردید وتوضیح پر مشتمل بے شمار کتب ومقالات عرب علماء کی جانب سے آچکے ہیں۔ یہ مواد تھوڑی سی کاوش سے انٹرنیٹ پر ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

(۴) مہذب زبان اور شریفانہ انداز:

اس سلسلے میں ایک بات بہت اہم ہے اور میں اپنے عزیز نوجوان علماء سے بڑی دردمندی کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا۔کسی غلط فکر یا ضلال کی تردید میں ہماری زبان اور لہجہ مہذّب اور نرم ہی ہونا چاہیے۔ دینی گفتگوؤں میں کسی غیر شریفانہ لفظ کی کیا گنجائش؟ آپ علمی تردید پوری قوت سے کیجیے۔کسی گمراہی کی دعوت کو، اس کی اصل حیثیت اور درجے کے مطابق، زیغ وضلال بھی قرار دیجیے۔لیکن لعن، طعن، سب وشتم یا بازاری انداز صرف قبیح ہی نہیں آپ کے موقف کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور آپ کے مخالف اور بہت سے دیگر مخاطبین کے لیے نفسیاتی رکاوٹ بنتا اور ہدایت سے محرومی کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایسا کرنے والے حق اور اس کی دعوت کو کمزور کرتے ہیں، تقویت نہیں پہنچاتے۔

(۵) عوام کو شیعہ مذہب کی حقیقت سے آگاہ کیجئے:

الزامات واعتراضات کی تردید کے ساتھ یہ بھی ضروری اور مفید ہے کہ اہل سنت عوام کو شیعیت کی حقیقت اور اس کے عقائد وافکار سے بھی باخبر کیا جائے۔ تاکہ وہ شعوری طور پر جان سکیں کہ اس فنکارانہ دعوت کے ذریعے ان کو کشاں کشاں کس طرف لے جایا جارہا ہے؟۔ اس کی علمی تیاری کے لیے شیعیت اور ایران کے موضوع پر مولانا نعمانیؒ کی کتاب بالکل کافی ووافی ہے۔وہ اِسی جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ پرزور شیعی دعوت وتحریک کے دور میں لکھی گئی تھی۔ اور اس نے بتوفیق خداوندی سیلاب پر پورا بند باندھ دیا تھا۔

(۶) ہم یقیناً شیعہ سنی مصالحت وامن کے قائل ہیں:

اور اپنے ملک میں بھی اور عالم اسلام کے حالات میں بھی اس کو مسلمانوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔مگر ضروری ہے کہ اس سلسلے میں ہم ایک طرف تو شیعیت کے زیغ وضلال سے بھی واقف ہوں اور عوام کو کسی گمراہانہ

دعوت کا سہل شکار بننے نہ دیں۔ افسوس! مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے، بلکہ مدارس کے فارغین تک میں یہ سطحی اور عامیانہ ذہنیت پائی جاتی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ عقیدہ اور دین کی بنیادی چیزوں کی اہمیت ہر سیاسی وملی مصلحت سے بالاتر ہے، تو ان کو سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ دراصل کتاب وسنت کے صحیح ذوق اور انبیاء علیہم السلام کے اسوے سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(۷) ایران اور اسرائیل جنگ؟

ہم اسرائیل کے مقابلے میں ایران کی مزاحمت کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اہل سنت ایران کے شیعی کردار سے واقف وآگاہ رہیں۔ سیریا میں ایران نے ایک نہایت خونی اور ظالم حکومت کی مدد کے لیے جس طرح کے خونی اور دردناک مظالم اہل سنت پر کیے اور جو دنیا کو جب ہی معلوم ہو سکے جب انسانی مذبح خانوں، قید خانوں اور صعوبت خانوں سے دسیوں ہزار لوگ آزاد کرائے گئے، اس سے اتحاد بین المسلمین کے سارے دعووں کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور یہ صاف ہوگیا کہ ایران کے سامنے اصل مقصد وہی 'تصدیر الثورۃ' یعنی خطہ میں اپنے طرز کی حکومتیں قائم کرنا ہے، جس کا خمینی صاحب اور ایرانی انقلاب کے دیگر قائدین پہلے دن سے اعلان کرتے آئے ہیں۔

آخری دو باتیں:

راقم آثم بڑی محبت کے ساتھ فتنے کے شکار اپنے بھائیوں اور بزرگوں سے ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہے۔ ہم سب انسان ہیں۔ ہمارے ساتھ ہمارے نفسانی جذبات بھی ہیں۔ ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ مسئلہ دین اور عقیدے کا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص یا گروہ سے ہماری ذاتی شکایات یا اختلافات کا ہم پر یہ اثر ہو کہ ہم اس کی مخالفت اور ضد میں کسی گمراہی کے حلقہ بگوش یا داعی بن جائیں۔ ذرا سوچیے کہ اگر ہم نے ایسا اپنے نفسانی جذبات یا ضد وحسد اور کشمکش ومخاصمت میں کیا تو، ہم کل اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اور ہمارا کیا انجام ہوگا؟۔ ہم سب کو اپنے آپ کو بار بار یاد دلانا چاہیے کہ ہم کچھ نہیں ہیں، صرف اللہ کے بندے ہیں۔ اور ہماری ساری وفاداری صرف اس کے اور اس کے دین کے ساتھ ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم ودانش کے سامنے حضرت مولانا نعمانیؒ کی وہ چند سطریں پیش کردی جائیں جو سن ۱۹۸۷ء میں اہل علم کو مخاطب کرکے لکھی گئی تھیں۔

> اس وقت شیعیت کے احیاء اور اس کی دعوت وتبلیغ کا فتنہ دین کے لیے عظیم ترین فتنہ ہے۔ جس کو ایک طاقت ور حکومت اپنے پورے وسائل کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اس صورت حال کا تقاضہ ہے کہ

ہمارے مدارس کے پڑھنے والے طلبہ اس سے ضروری حد تک واقف اور باخبر ہوں۔اس کے لیے ہمارے اہل مدارس جو تدبیر مناسب سمجھیں اس سے دریغ نہ فرمائیں۔۔۔(مزید تحریر فرماتے ہیں) حضرات علماء کرام کا یہ فریضہ ہے کہ عام مسلمانوں کو اس گمراہی سے بچانے اور شیعیت کی حقیقت اور شیعوں کے انتہائی خطرناک ارادوں اور منصوبوں سے انہیں باخبر کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہوں اس میں کمی نہ کریں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ختام الکلام کے طور پر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علماء کرام کو اس بارے میں خاص نصیحت و ہدایت انہی کے الفاظ میں نقل کر دی جائے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ چوں کہ شیعہ صحابہ کرام ؓ پر تہمتیں دھرتے اور الزامات لگاتے ہیں اور ان پر سب وشتم اور لعن وطعن کی زبان دراز کرتے ہیں، اس لیے علماء اسلام پر فرض ہے کہ وہ شیعیت کی تردید اور شیعوں کے مکائد ومفاسد کے بیان میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔فرماتے ہیں:

اما چوں شیعہ شنیعہ اصحاب عظام را بہ بدی یاد می کنند، وہ بہ سب ولعن ایشاں جرأت می نمایند، علماء اسلام را واجب است کہ رد آنہا نمایند، ومفاسد ایشاں را ظاہر سازند۔(رد الروافض:۳۴)

(بقیہ صفحہ ۴۳ سے)

غرض ان تاریخی حقائق کو مدنظر رکھ کر یہ مسئلہ تو صاف ہوگیا کہ تاج محل کی عمارت کسی مندر وغیرہ پر نہیں بنائی گئی ہے، بلکہ ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہندو شخص سے بادشاہ نے اس کی رضا مندی سے خریدا تھا اور فلم دی تاج اسٹوری سراسر جھوٹ اور پروپیگنڈہ پر مبنی ہے جس کو سچ کا عنوان دے کر تاریخ کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے، ہدایت کار روادا کار ایسی فلموں سے حکومت کی داد اور عوام کا پیسہ بٹورنا چاہتے ہے، نیز ملک کی پر امن فضا میں گندگی پھیلانا اور نفرت کو فروغ دینا ان کا مقصد ہے، ماحول کے اثرات سے کچھ عصری علوم سے وابستہ افراد بھی اسلامی شعائر اور مسلم حکومتوں سے بدظن ہو رہے ہیں، ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی نسلوں کو مسلم سپوتوں کے ناقابل فراموش کارناموں سے باخبر کریں اور اسلام کو بدنام کرنے والے فلموں ڈراموں بلکہ علی الاطلاق ان چیزوں سے باز رکھیں، اور اپنی طاقت وقوت کے بہ قدر ان باتوں کے خلاف آواز اٹھائیں، قانونی کروائی کریں، قومی شعور بیدار کریں؛ یہ ہمارا قومی وملی حق ہے۔

گوشۂ سیرت

اور نوجوان کو غلطی کا احساس ہو گیا

از: پروفیسر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی حفظہ اللہ

ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا گویا کسی کی تلاش میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دیے تو آپ کی طرف آیا ،توقع تھی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں سنے گا ؛لیکن یہ کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا اور جرأت سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجیے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان کی طرف دیکھ کر اطمینان سے کہا:

کیا تمہیں اپنی والدہ کے لیے زنا پسند ہے؟ اس نے کہا: نہیں !اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

پھر دریافت کیا: کیا تم اپنی بہن کے لیے زنا پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا: نہیں ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا: کیا تم اپنی پھوپھی اور خالہ کے لیے زنا پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے اس بار بھی نفی میں جواب دیا۔

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اور لوگوں کے لیے بھی وہ ناپسند سمجھو تو خود ناپسند کرتے ہو۔

نوجوان کو ادراک ہو گیا کہ وہ غلطی پر تھا، اس نے نہایت تواضع سے کہا: اللہ سے دعا کیجیے کہ میرا دل پاک کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعا کی کہ: **اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ ، وَاغْفِرْ ذَنْبَہٗ ، وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ**، اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے، اس کا گناہ معاف کر، اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر۔

نوجوان یہ کہتا ہوا مجلس سے باہر آ گیا، واللہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور مجھے دنیا کا کوئی کام زنا سے زیادہ پسند نہیں تھا، اور اب یہ حالت ہے کہ دنیا کو کوئی کام مجھے زنا سے بڑھ کر ناپسند نہیں۔

(زندگی سے لطف اُٹھایئے: ۲۶۹/ ۲۷۰)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

خلیدہ بنت قیس انصاریہ دہمانیہؓ (والدہ محترمہ بشر بن براء بن معرورؓ)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب: یہ جلیل القدر صحابیہؓ ہیں، ان کا نام: خلیدہ بنت قیس بن ثابت بن خالد بن اشجع ہے'' قبیلہ بنو دہمان'' کی ایک معزز خاتون ہیں، ان کا نکاح صحابی رسول ''براء بن معرورؓ'' سے ہوا، ان کا شمار قبیلہ بنو سلمہ کے سرداوں میں ہوا تھا، بیعت عقبۂ اولیٰ کے بارہ نقباء میں شامل تھے، ان کے بطن سے ''بشر بن براءؓ'' سے ولادت ہوئی، جو بدر، احد، خندق اور خیبر کے غزوات میں شریک رہے، خیبر کے موقع اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے، جب ایک یہودی عورت نے وہاں زہر آلود بکری کھلائی، اسی خیبر کے موقع میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ زہر آلودہ بکری کھانے سے بشر بن براءؓ راہئِ عالمِ بقا ہو گئے، ان کی ایک بیٹی ''سلافہ رضی اللہ عنہا'' جو مشہور صحابی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہا کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

(تلقیح فھوم أہل الأثر فی عیون التاریخ والسیر، ابن الجوزی: ۱/۹۵، شرکۃ دار الأرقم بن أبی الأرقم، بیروت)

قبول اسلام: انہوں نے اپنے شوہر حضرت براء بن معرورؓ کے ساتھ اسلام قبول کیا، ابتداءً اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ آمد سے ایک سال قبل ہی شوہر کا انتقال ہوگیا۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت بشر کو باپ کی جگہ بنو سلمہ کا سردار (نقیب) مقرر فرمایا دین اسلام پر نہایت ثبات قدمی کے ساتھ جمی رہیں۔

مرویات: اس عظیم صحابیہ کو صحبتِ رسول اللہ ﷺ کا بڑا وافر حصہ ہوگا، ان سے کئی ایک مشہور ومعروف روایتیں منقول ہیں:

ا۔''امِ بشر زوجہ براء بن معرور'' رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**تربت یداک**'' (تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، یعنی تعجب کے اظہار کے طور پر فرمایا) یا کبھی فرمایا: **تربت جبینک** (تیری

---

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

پیشانی خاک آلود ہو)، نیک روح جنت میں سبز پرندے کی طرح ہوتی، اگر پرندے درختوں کی ٹہنیوں پر ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہیں، تو یقینا روحیں بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں''**فإن كان الطير يتعارفون في رؤوس الشجرة، فإنهم يتعارفون**''۔

۲۔''امِ بشر زوجہ براء بن معرور'' رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے صحابہؓ سے فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمھیں نہ بتاں کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟۔صحابہؓ نے کہا: "کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ شخص جو گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہو، ہر وقت تیار ہو کہ وہ دشمن پر حملہ کرے یا دشمن اس پر حملہ کرے۔

پھر فرمایا: کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد سب سے بہتر انسان کون ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجاز کی سمت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہو، نماز قائم کرتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو، اور اپنے مال میں اللہ کا حق جانتا ہو، اور لوگوں کے شر سے الگ رہتا ہو۔''**رجل في غنمه يقيم الصلاة ويؤتي الزكاة ويعلم حق الله عليه في ماله قد اعتزل شرور الناس**''۔

۳۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:''امِ بشر زوجۂ براء بن معرور'' رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری میں آپ کی عیادت کے لیے آئیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار تھا۔ انہوں نے آپ کو چھوا اور کہا: یارسول اللہ! میں نے کسی پر اتنی سخت گرمی (بخار) محسوس نہیں کی، جتنی آپ پر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح ہمیں دوہرا اجر ملتا ہے، اسی طرح ہم پر دوہرا امتحان بھی آتا ہے، پھر فرمایا: لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو ذات الجنب (سینے کی بیماری) ہوگئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ اسے مجھ پر ہرگز مسلط نہیں کرے گا، یہ تو شیطان کی ایک چبھن؛ بلکہ یہ اس کھانے (زہریلے گوشت) کی وجہ سے ہے جو میں اور تمہارا بیٹے نے خیبر کے دن کھایا تھا، وہی اثر مجھ پر برابر رہتا رہا یہاں تک کہ اب میری''شہ رگ'' کے کٹنے کا وقت آ گیا ہے۔(وفات کا وقت قریب آ گیا ہے) اسی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوئے۔(مغازی الواقدی: غزوۃ خیبر: ۶۷۹/۲، دارالأعلمی، بیروت، الطبقات الکبری لابن سعد، فاطمہ بنت الأسود، ۲۴۱/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

وفات: حضرت خلیدہ رضی اللہ عنہا کب تک حیات رہیں؟، اس سے متعلق مزید حالات اور سنِ وفات کا تذکرہ کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔(الطبقات الکبری لابن سعد، فاطمہ بنت الاسود، ۲۴۱/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

اصلاحی مضامین

حیا ایمان کا حصہ ہے

از: مولانا مفتی محمد منور قاسمی*

ایک مومن کے اندر خوبیوں اور کمالات کو پیدا کرنے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے بہت ساری چیزوں کا حکم اور ترغیب دیا ہے، انھیں میں سے ایک چیز حیا بھی ہے؛ چناں چہ ایک حدیثِ پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "الحیاء شعبة من الإیمان " کہ حیا ایمان کا ایک بڑا حصہ اور شاخ ہے۔ (بخاری، کتاب الایمان، رقم: ۹)

سب سے پہلے یہ جان لینا مناسب ہے کہ حیا کسے کہتے ہیں؟ چناں چہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ (مرقات المفاتیح ۵ ۱۳/۱) میں رقم طراز ہیں: **هو خلق يمنع الشخص عن الفعل القبيح بسبب الايمان كالحياء من كشف العورة** حیا ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو ایمان کی برکت سے برے اور ناجائز کام سے روکے جیسے ستر کھولنے سے حیا کرنا۔

حیاءِ ایمانی وشرعی

واضح رہے کہ یہاں حدیث میں حیا کی متعدد اقسام میں سے حیاءِ ایمانی کی تعریف کی گئی ہے۔ جس مومن کے اندر یہ صفت اور خوبی علی وجہ الکمال موجود ہو وہ کامل باحیا مسلمان ہے، اللہ کا محبوب و پسندیدہ بندہ ہے؛ کیوں کہ اللہ رب العزت باحیا ہے، وہ حیا کو پسند فرماتا ہے، ایسا مسلمان جنتی ہے؛ کیوں کہ حیا ایمان کا ایک جزو اور حصہ ہے، اور ایمان دخولِ جنت کا سبب ہے؛ لہٰذا ہم میں سے ہر مسلمان کو باحیا بننا چاہیے، جس کے اندر یہ صفت ہے تو وہ اس سے بہت فائدہ اُٹھائے، اور جس کے اندر نہیں ہے وہ اس کو پیدا کرنے کی کوشش اور محنت کرے اور اپنے آپ کو اس صفت کے ساتھ متصف کرنے کی فکر کرے۔

حیاءڈھال ہے

حیا ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو برائی کرنے سے روکتی ہے، حیا کی بدولت انسان بہت سارے گناہوں، معاصی اور غلط کاموں سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے، جس کے اندر حیا نہ ہو وہ ہر برائی کرنے پر آمادہ

* استاذ ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

ہوجاتا ہے۔آپ ﷺ کا فرمانِ عالی بھی اسی کی طرف مشیر ہے،فرماتے ہیں:"إذا لم تستحي فاصنع ماشئت "(بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم: ۳٤٨٤) کہ اگر آپ کے اندر شرم وحیا ہی نہ ہوتو آپ جو چاہیں کریں۔

معاذ اللہ! حضور ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور ہمیں اچھے برے؛ ہر طرح کے کام کرنے کی اجازت دے رہے ہیں؛ بل کہ اس کے ذریعے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اپنے اندر حیا پیدا کرو، اپنے آپ کو ایک باحیا انسان بناؤ؛ کیوں کہ یہی صفت آپ کی سرخ روئی کا ذریعہ ہے، یہی صفت آپ کی کامیابی کی ضامن ہے، یہ صفت آپ کو بلندی عطا کرے گی، یہی صفت آپ کو ترقی کی راہ پر لائے گی؛ گویا کہ حیا ایک حجاب ہے جو برائی کو روک دیتی ہے، حیا ایک حدِ فاصل ہے برائی کے لیے، حیا ہی کی بدولت انسان باکمال و بامراد ہوتا ہے۔

کامیاب معاشرہ

جس معاشرے میں حیا ہو، وہ معاشرہ کامیاب وسرخ رو ہے، وہ معاشرہ قابلِ تعریف ولائقِ تحسین ہے، اس میں ماں، بہن، بیٹی، بہو؛ ہر ایک کی عزت محفوظ رہتی ہے، اس معاشرے کے ہر ہر فرد کی زندگی قابلِ مدح ہوتی ہے، وہ معاشرہ چین وسکون کی زندگی گزارتا ہے، وہ معاشرہ آرام وراحت والی سانس لیتا ہے، اس کے برخلاف جس معاشرے میں یہ صفت نہ ہو، وہاں کے ہر فرد کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، اس میں کوئی اپنا قدم رکھنا نہیں چاہتا، اس سے ہر کوئی دور رہنے کی کوشش کرتا ہے، وہ دن بہ دن زوال وپستی کی راہ پر گامزن رہتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے اندر، پھر اپنے خاندان میں، پھر اپنے علاقے میں اور پھر اپنے پورے معاشرے میں اس صفت کو لانے کی، اس خوبی کو پیدا کرنے کی، اس کمال سے متصف ہونے کی فکر اور محنت کریں۔

آج ہمارے اندر برائیاں عام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے اندر وصفِ حیا کمزور پڑ رہا ہے، جس کی وجہ سے جو طبیعت میں آتا ہے، کر گذرتے ہیں، ذرا نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اللہ رب العزت ہمارے اندر اس صفت کو پیدا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

اصلاحی مضامین

برداشت ورواداری کا عالمی دن

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانؔی قاسمی*

ہر سال 16 / نومبر کو دنیا بھر میں برداشت کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس دن کو منانے کا مقصد معاشرے میں برداشت ورواداری کی ضرورت، صبر وتحمل کی اہمیت، دوسروں کے فرائض وحقوق کا احترام اور عدم برداشت کے معاشرے پر رونما ہونے والے منفی اثرات سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ برداشت کے عالمی دن کے موقع پر انسانی حقوق کی تنظیمیں خصوصا اقلیتوں کے ساتھ غیر مساوی اور امتیازی سلوک کی روک تھام کی اہمیت اجاگر کرتی ہیں۔

عدم برداشت ہی کی وجہ سے معاشرے میں بدنظمی، بے عنوانی، معاشرتی استحصال، لاقانونیت اور ظلم و عداوت جیسے ناسور پنپ رہے ہیں،عدم برداشت ہی کی بنا پر آج کا انسان بے چینی، جلد بازی، حسد، احساسِ کمتری اور ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا جارہا ہے، یہی صبر تحمل کی کمی ہے؛ جس کا خمیازہ ہم آج دہشت گردی کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔

انسانی معاشرہ ایک گل دستے کی طرح ہے جس طرح گل دستے میں مختلف رنگ کے ہمہ نوع پھول، حسن و خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح انسانی معاشرہ بھی مختلف الخیال، مختلف المذہب اور مختلف النسل افراد سے مل کر ترتیب پاتا ہے اور اس کا یہی تنوع اس کی خوبصورتی کا سبب بنتا ہے۔ چناں چہ میانہ روی، رواداری، تحمل مزاجی، عفو درگزر اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ، یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے سماج امن وامان کا گہوارہ بنتا ہے اور اس طرح ایک صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

کوئی زمانہ تھا کہ حق گوئی اور بے باکی جواں مردوں کا آئین اور قلندروں کا طریق سمجھی جاتی تھی؛ مگر میری نظر میں فی زمانناجرئتِ گفتار سے زیادہ ہمتِ برداشت ہی مردان خردمند اور جوانان ہوش مند کا طرہ امتیاز ہے۔

قوت برداشت ان اعلیٰ صفات میں سے ہے؛ جو افراد کیلئے انفرادی طور پر اور اقوام کیلئے اجتماعی طور پر فوز وفلاح، کامیابی وکامرانی، عزت وعظمت اور ترقی وسربلندی کا ذریعہ ہے۔تحمل وہ دولت ہے؛ جس کی وجہ سے انسان کے نفس میں ایسی غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے جو کسی بھی حالت میں انسان پر قوت غضب کو غالب نہیں

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد

آنے دیتی۔ دین و شریعت میں حق پر ہوتے ہوئے مصائب سہنا، مظالم برداشت کرنا، تکالیف انگیز کرنا تو اخلاق کا اونچا معیار اور انسانیت کی بڑی معراج ہے۔ والحقُّ احقُّ انْ یُتَّبَعَ ؛مگر خودساختہ مزعومات اور من مانی نظریات پر اصرار کرنا، زبردستی انہیں تسلیم کرنے پر مجبور کرنا، خلاف ورزی پر مشتعل و برانگیختہ ہونا، پرلے درجہ کی حماقت اور نچلے درجہ کی جہالت ہے۔

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ قومیں اور افراد، جب اقبال مند ہوتے ہیں تو اپنا احتساب خود کرتے ہیں، اپنے خیالات ونظریات کو مستند سمجھ کر، مطمئن نہیں ہوجاتے ؛ بل کہ ہر وقت جائزہ لیتے رہتے ہیں کہ کہیں اِن میں کوئی کھوٹ تو نہیں؟ خلاف عقل وشرع کوئی بات تو نہیں؟ لیکن افسوس صد افسوس کہ عصر حاضر میں جو جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، جو خمار ذہن و دماغ پہ چھایا ہوا ہے اور جو سودا سروں میں سمایا ہوا ہے، بے لاگ انداز میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے، بلا خوف لومۃ لائم لکھا جائے تو وہ ہے ''حکم رانی کا جنوں اور بڑائی جتلانے کا فسوں''، وہ بھی قوت برداشت کے بغیر۔ آج ہر کوئی کنویں کے مینڈک کی طرح خود کو حاکم اعلی اور عقل کل سمجھتا ہے، چار لوگ کیا معاون بن گئے خود کو متبوع ومخدوم گمان کرنے لگتا ہے۔ بعض بعض تو ایسا حاکمانہ؛ بل کہ آمرانہ مزاج رکھتے ہیں کہ تلاش کرنے پر بھی عاجزی، انکساری اور فروتنی؛ بل کہ اِن کی ادنی جھلک بھی ان میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود بھی اس طلسم سے باہر نہیں آنا چاہتے اور خودی کی خدائی میں اتنے مصروف ومگن اور انا کی خول میں اس طرح مقید و بند ہوجاتے ہیں کہ انجام کار اوقات فراموش بن بیٹھتے ہیں۔ ایسے افراد کا جب احتساب کیا جاتا ہے، انہیں دیانتاً کوئی اہم پہلو بتلایا جاتا ہے تو بیدار مغزی کا ثبوت دینے اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے کینے اور حسد کو پالنے، بغض وعناد کو راہ دینے اور زندگی بھر کی دشمنی مول لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر ہر انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سننے سے زیادہ سنانے کو پسند کرتا ہے، ماننے سے زیادہ منوانے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اس نیت سے نہیں سنتے کہ مخاطب کی بات کو سمجھیں؛ بلکہ وہ اس لئے سنتے ہیں کہ اُنہیں جواب دینا ہوتا ہے، اس لیے یا تو وہ دخل اندازی کرتے ہوئے خود بولنے لگتے ہیں یا پھر بولنے کی تیاری میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی صحیح معنی میں یا تو سن سکتا ہے یا بول سکتا ہے۔ ان دونوں کاموں کو جمع کرنا کسی مثبت نتیجہ تک نہیں پہونچا سکتا۔ اور یہی صبر وضبط حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے؛ بل کہ ان کی تعلیمات کا پہلا درس ہی قوت برداشت ہے کہ ہم اپنے آئینۂ دل کو اس حد تک ستھرا رکھیں کہ زمانے کے دیئے ہوئے صدمات، دکھ اور اذیتیں اسے گرد آلود نہ کرسکیں؛ کیونکہ دل کی صفائی اور روشنی

ہی وہ صفائی اور روشنی ہے جس میں ہم روز قیامت اپنے رب کا دیدار کرسکیں گے۔ جہاں تک ہم نے اپنے اکابر کو پڑھا اور دیکھا تو یہی سمجھا کہ ان کو اپنی اصلاح کی بڑی فکر تھی، اگر کوئی ان کو ان کی غلطی بتاتا تو وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ غلطی بتانے والا کون ہے؟ اس کا انداز کیسا ہے؟ وہ ہمارا مخالف ہے یا موافق؟؛ بلکہ اگر غلطی معلوم ہوجاتی تو علی الفور تسلیم کرلیتے اور برملا اعلان واعتراف سے کبھی پیچھے نہ ہٹتے۔ البتہ دوسروں کو ان کی غلطی بتانے میں حکمت اور حدود کا بھرپور خیال رکھتے۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جنھیں ان کے علوم کی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز ثانی کہا جاتا تھا، ان کے تلمیذ ارشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بار بار بیان کیا ہے کہ جب کوئی انھیں ان کی کسی غلطی پر تنبیہ کرتا تو نہایت شکر گزاری سے بار بار اس کا اعتراف کرتے تھے اور غالباً اسی کا اثر تھا کہ حضرت تھانویؒ نے (جو کثیر التصانیف بزرگ ہیں) اپنے یہاں ایک مستقل سلسلہ ترجیح الراجح کا قائم کر رکھا تھا اور کہیں سے کوئی بھی کسی چیز پر گرفت کرتا تھا تو اسے بغور ملاحظہ فرماتے اور اس کی رائے کو درست پاتے تو بے تکلف اس کا اعتراف کرکے اپنے سابق قول سے رجوع فرمالیتے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ جیسی وسیع المطالعہ شخصیت نے بھی رجوع واعتراف کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں اپنی متعدد آراء سے برملا رجوع کیا۔

برداشت کی اس سے بڑی کیا مثال دی جاسکتی ہے کہ کانگریس ولیگ کے اختلافات کے دوران کسی لیگی نے دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث اور عہدۂ صدارت پر فائز اس عظیم ہستی کو (جسے دنیا شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کے نام سے جانتی ہے) درس کے بعد ایک چٹھی دی؛ جس میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا تھا: سنا ہے آپ حرامی ہیں! حضرت مولانا نے جیسے ہی اس چٹھی کو پڑھا تو نہ پہلو بدلا، نہ غصے اور ناگواری کا اظہار کیا حتی کہ پیشانی پر بل لائے بغیر پورے اطمینان سے یوں جواب دیا: نہیں! میں حرامی نہیں ہوں۔ میرے والدین کے نکاح کے گواہ آج بھی ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں موجود ہیں۔ وہاں جاکر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

الغرض: اہل حق کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے، غلطی کے اعتراف سے آدمی کو بلندی ملتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا صبر وتحمل، ہماری قوتِ برداشت اور جبر ذات ہمارے لئے ہمیشہ خیر اور اجر کا سبب بنتی ہے، دانشوروں کا ماننا ہے کہ ہر معاشرے میں انتشار وخلفشار کی بنیادی وجہ قوت برداشت کی کمی ہے اگر انسان اسی بنیادی خامی بلکہ کمزوری کے خلاف نبرد آزما رہے تو یہ دنیا رہنے کیلئے ایک پرسکون جگہ بن سکے گی اور سکون سے بڑھ کر انسان کو اور کس دولت کی ضرورت ہوسکتی ہے؟؟؟

اصلاحی مضامین

اچھے نام شریعت میں مطلوب بھی ہیں اور محمود بھی

از قلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

آج کے روشن خیال اور فیشن زدہ معاشرہ میں دینی حقائق کو اجاگر کرنا اور دین کی بالکل واضح، بدیہی اور موٹی موٹی باتوں کا سمجھانا بھی بے حد مشکل ہو چکا ہے، وہ قوم جو اپنے شعائر سے ناواقف ہو، مرضی خدا اور منشاء نبی پر من مانی زندگی کو ترجیح دیتی ہو، دینی جہالت و ناخواندگی، جہل وعناد، ظلم وسرکشی کی اس تاریک فضا میں کس کو کیا کہا جائے؟ اور کیا بتلایا جائے؟ من جملہ فیشن کے نام پر پائی جانے والی خرابیوں میں سے ایک اہم خرابی اچھے ناموں کا نہ رکھنا ہے، عصر حاضر میں لوگ اسمائے حسنی انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء و بزرگانِ دین کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھنے کو دقیانوسیت اور قدامت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں مولانا صاحب! ایسا نام بتائیں جو کسی نے آج تک نہ سنا ہو، بولنے میں چاہے مشکلات ہی کیوں نہ ہو نام میں کیا رکھا ہے؟ دنیا کہاں سے کہاں پہونچ گئی، مولوی اور خطیب تو اسی محدود نظریات کے اردگرد گھوم رہے ہیں حالانکہ جدید ترقی یافتہ دور کے ماڈرن کم علم اور وسعت نظر کا نعرہ لگانے والوں کو یہ اندازہ نہیں کہ اس عالمگیر مذہب کے ایک ایک حکم پر عمل کرنے میں دنیا و آخرت میں فوز ونجات کے وہ بے شمار راز وفوائد پوشیدہ ہیں جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب اور دین نہ کیا ہے نہ کر سکتا ہے۔

نام رکھائی اور موجودہ صورت حال

آج قوم مسلم کے وہ افراد جو جدید ترقی یافتہ دور کے خرافات کو بھرپور اور مکمل طور سے استفادہ کے خواہشمند ہوتے ہیں وہ لوگ اپنی جدیدیت اور تجدد پسندی کے چلتے اپنی اولاد اور زیر نگیں اطفال کے ایسے نام رکھنا پسند کر رہے ہیں جو بے معنی ہونے کے ساتھ غلط معانی پر بھی مشتمل ہے، انہیں اس بات سے کوئی حرج ہی نہیں ہوتا کہ آیا یہ ماڈرن نام اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ از روئے شریعت محمود و مطلوب بھی ہے یا نہیں؟ حتی کہ نام سن کر یہ فرق بھی نہیں ہو پاتا کہ یہ نام والا مسلم ہے یا غیر مسلم؟ مرد ہے یا عورت؟

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد

عمدہ، معنی دار، اسلامی، اور شرعی نام رکھنے پر موجودہ دور میں عام طور پر یہی کہا جارہا ہے کہ مولوی صاحب! یہ نام تو کافی پرانا ہے، یہ نام تو گھسا پیٹا ہے، نام ہو تو کچھ نیا، سب سے الگ، ایسا جواب تک کسی سے نا سنا ہو وہ بتائیں، ظاہر ہے افرادِ خاندان کے ناموں سے الگ نام کے حد تک تو ان کا تقاضہ ٹھیک ہے مگر غیر اسلامی نام کا تقاضہ جدیدیت کے نام پر درست نہیں ہے، افسوس تو یہ ہے کہ آج ہم یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پس منظر میں کیا تعلیمات ہیں؟ اور کیا ارشادات ہیں؟ جبکہ اس سلسلے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمدہ اور بہترین تعلیمات موجود ہیں؛ آپ علیہ السلام نے والدین کی ذمہ داری اور حسنِ ادب کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وعن ایوب بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ ﷺ قال مانحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن (رواہ الترمذی والبیہقی)

ترجمہ: حضرت ایوبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (ابن سعیدؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں ہے۔

کیسے نام شریعت کی نظر میں مستحسن ہیں؟

نومولود بچوں کے نام ایسے رکھنے چاہیے جو اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کے بتلائے ہوئے محبوب نام ہوں، جن میں ایسے معانی پر جس میں اسلام و ایمان کی پختگی، سلامتی طبع اور بہترین تہذیب و اخلاق کی جھلک موجود ہو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عن ابی وھب الجشمی قال قال رسول اللہ ﷺ تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبداللہ وعبدالرحمان واصدقھا حارث و ھمام واقبحھا حرب و مرہ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ ''حضرت ابو وھب جشمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے نام پر اپنے نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں نیز زیادہ صحیح اور حق پر مبنی نام حارث اور ھمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مرۃ ہیں۔''

یہاں اس حدیث شریف سے مقصود یہ ہے کہ ہر وہ نام رکھنا باعث برکت و رحمت ہے جس میں اللہ کے کسی صفت کے ساتھ بندہ کی عبدیت اور بندگی و تابعداری کا اظہار ہو رہا ہو جیسے عبدالخالق' عندالملک' عبدالرزاق' عبدالعلیم' عبدالخبیر' اور عبدالرافع۔ طاہر، طیب

اور لڑکیوں میں اُمۃ اللہ، اُمۃ الرحمن، اُمۃ المتین، یا خدیجہ، فاطمہ سمیہ، طاہرہ، ذاکرہ، شاکرہ، صابرہ رکھنے چاہیے۔

غلط معنی پر مشتمل نام رکھنا ممنوع ہے

ہم اپنی اولاد کا ایسا نام ہرگز نہ رکھیں جن کے معنی و مفہوم میں فحاشی، بداخلاقی، سنگ دلی اور بے دینی وغیرہ پائی جارہی ہو، شریعت مطہرہ جو انسان کو اس کے نفس کو غرور و تکبر، ریاء نام و نمود، اپنی ستائش و تعریف اور خود نمائی سے محفوظ رکھنے کی جس شدت سے قرآن و حدیث میں بار بار تلقین فرمایا ہے اس کی مثال دنیا کے اور مذاہب میں کہیں نہیں ملتی۔

اسلام میں اچھے نام رکھنے کی جہاں بہت اہمیت ہے تو وہیں غلط معانی پر مشتمل نام رکھنے کی ممانعت بھی ہے اور اس سے بچنے کی تاکید بھی، قرآن مجید کے مقدس آیات میں رب کائنات نے ارشاد فرمایا: ولا تنابزوا بالألقاب (ایک دوسرے کو برے ناموں اور القاب سے نہ چڑایا کرو) (سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۱)

اور معلم اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا جس میں اپنی تعریف کا پہلو نمایاں ہو رہا ہو ارشاد گرامی ہے: وعن زينب بنت ابى سلمه قالت سميت بره فقال رسول الله لا تزكوا انفسكم الله اعلم باهل البر منكم ستموها زينب (رواہ مسلم) ''حضرت زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ میرا نام برّہ (نیکوکار) رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفس کی تعریف نہ کرو تم میں جو شخص نیکوکار ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے۔''

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نام رکھنے سے بھی منع فرمایا جس کے معنی سے انسان کی اپنی ذات کی تعریف ظاہر ہو رہی ہو کیونکہ کہ نام کا اپنے مسمی میں تاثیر اکثر و بیشتر پائی جاتی ہے، ایسے نام رکھنے سے نفس میں بڑائی اور تکبر کے اثرات پیدا ہونے کے خطرات زیادہ موجود ہیں۔ اور اللہ رب العزت خود جس فرد میں عجز و انکساری اور تواضع ہو اسے اپنا محبوب گردانتا ہے اور جہاں غرور و تکبر ہو اللہ پاک اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔

برے نام کی تبدیلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے

ناموں کے سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں اپنے عقل و تصور کے مطابق بے حد افراط و تفریط سے کام لیا جارہا ہے اگر بعض لوگ رعب و دبدبہ کے اظہار کیلئے اپنے بچوں کے عجیب و غریب نام رکھ رہے ہیں تو بعض سادہ لوح مسلمان ایسے بھی ہیں جو اپنی سادگی، کم فہمی یا کم علمی کی وجہ سے اپنے بچوں کے ایسے نام رکھ دیتے ہیں جو خدا کی نافرمانی اور دین کی مخالفت پر مبنی ہوتے جیسے عاصی، آثم، عاصیہ ایسے ناموں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برا قرار دیکر تبدیل کرنے کی ترغیب فرمائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد ہے: وعن ابن عمر ان بنتا کانت لعمر یقال لها عاصیة فسمها رسول الله جمیلة (رواہ مسلم) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ایک بیٹی تھی جس کو عاصیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (عاصیہ کا معنی گناہ گار ہے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔

گویا جب نام ہی عاصیہ نافرمان اور گناہ گار رکھ دیا۔ تو انسان کے نام کا اس کی زندگی پر اثر انداز ہونے کی وجہ ایسے نام رکھنے کو بھی سرکار دو عالم نے عاصیہ یعنی نافرمان کے بجائے جمیلہ جس کا معنی خوبصورت ہے رکھ دیا۔

والدین پر اولاد کا پہلا حق

والدین پر اولاد کا یہ سب سے پہلا حق ہے کہ ولادت کے بعد انسان کی شناخت کا جو اہم ذریعہ اس کا نام ہے وہ ایسا رکھیں جو قرآن کے اور رسول کی تعلیم سے متصادم نہ ہو، اسلام نے بیٹے اور بیٹی دونوں کو رحمت خداوندی قرار دے کر بیٹی کو بھی اپنے حکمت کے مطابق وہی سلوک کرنے کا حکم دیا جس کا بیٹا مستحق ہے، جس طرح بیٹوں کے نام انبیاؑ وصحابہ کرامؓ کے نام سے رکھنے سے باعث برکت ہوتے ہیں اسی طرح بیٹیوں کے نام ازواج ومطہرات صحابیات کے ناموں سے رکھنے میں بھی بے انتہا برکات ہوتی ہے۔

محترم والدین!!

والدین کی خدمت میں دردمندانہ درخواست

یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا کے تحت سب سے پہلے والدین پر ہی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچائیں!! ابتدائی مراحل سے ہی بچوں کی صحیح پروش، انکا مستقبل سنوارنے اور بگاڑنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اگر قوم مسلم یہیں سے اولاد کی تربیت کے سلسلے میں شریعت کے بتائے ہوئے اصول واحکام کو اپنے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے سارے معاملات اللہ کی حکمت پر چھوڑ کر اسی پر عمل کرنے والی بنے گی اور منشاء خداوندی اور تعلیم نبوی پر رضامند ہوگی تو یہی اولاد آگے چل کر والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک سرمایہ آخرت اور صدقات جاریہ ہوگی، بصورت دیگر غیر اسلامی وشرعی تربیت کے جرم میں والدین بھی یہ لخت جگر جب بڑے ہوکر جرائم گناہوں کا ارتکاب کریں گے تو شریک جرم کی حیثیت سے جہنم کے ایندھن بن بھی سکتے ہیں! اللھم احفظنا منه

اللہ پاک دین مستقیم کی صحیح سمجھ اور دین اسلام کی کامل پیروی کی توفیق عطا فرمائے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

لمحہ فکریہ

فلم ''دی تاج اسٹوری'' تاریخِ ہند پر کلنک

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی*

ہندوستان کو انگریزوں کی آمد سے قبل سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا،اس کی کئی وجوہات میں سے ایک اس ملک کی خوب روئی بھی ہے،سرزمین ہند پر کئی قوموں نے زور آزمائی کی ہے،کسی نے اس ملک کا صرف استحصال کیا تو کسی نے اس کے حسن کو مزید نکھارا،مغلیہ دور سلطنت ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے،شاہانِ مغل کی تاریخ کئی اعتبار سے قابل ذکر ہے،بالخصوص ملک کی تعمیر وترقی میں مغل بادشاہوں کا جو عظیم کردار رہا وہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا،شاہانِ مغل میں جہانگیر کا بیٹا و جانشین" خرم" معروف بہ شاہ جہاں ہے، یہ نام تاریخِ ہند کے افق پر اپنی شان وشوکت،عدل وانصاف،تعمیر وترقی،اور حسنِ ذوق کے باعث تابندہ و پائندہ ہے۔

شاہ جہاں کا مختصر تعارف:

شاہ جہاں کا اصل نام خرم تھا، وہ بادشاہ جہانگیر کے فرزند اور مغل خاندان کے چشم و چراغ تھے،شاہ جہاں نے اپنے حسنِ تدبّر سے ملک کو استحکام بخشا۔ان کے دور میں فنِ تعمیر،عدل وسیاست،اور تہذیب وتمدّن کا ایسا عروج ہوا جو آج بھی دنیا کے لیے مثال ہے۔

تعمیرات وفنون کا سنہری عہد:

شاہ جہاں کا نام سنتے ہی تاج محل کا ذکر زبان پر آتا ہے،وہ لازوال عمارت جو محبت کی علامت اور فنِ تعمیر کی معراج بن چکی ہے۔لیکن تاج محل کے علاوہ بھی ان کے دور کی بے شمار یادگاریں آج تک ان کی فنی بصیرت اور جمالیاتی ذوق کی گواہی دیتی ہیں۔لال قلعہ،جامع مسجد دہلی،موتی مسجد آگرہ،شالامار باغ لاہور،اور دیگر بے مثال عمارتیں شاہ جہاں کی تخلیقی ذوق ونظر کی روشن مثالیں ہیں۔ان کے دور میں فنِ خطاطی،سنگ تراشی،نقش و نگار،اور باغبانی میں جو ترقی ہوئی وہ اس سے قبل برصغیر میں کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔شاہ جہاں کے دور میں سلطنتِ مغلیہ کی معیشت اپنے عروج پر تھی۔تجارت کے راستے کھلے،امن وامان کی بدولت زراعت اور صنعت کو فروغ ملا۔سڑکیں،سرائے،پل اور نہری نظام عام لوگوں کی سہولت کے لیے قائم کیے گئے۔

''تاج محل''حسنِ جاوداں کی تابندہ تصویر:

شاہ جہاں کے عظیم الشان کارناموں میں خصوصی طور پر قابل ذکر تاج محل ہے، جب سورج کی کرنیں دریائے جمنا کے شفاف پانیوں پر جھلملاتی ہیں، تو ان لہروں میں جو سفید سنگِ مرمر کی عمارت اپنی لطافت اور شان کے ساتھ ابھرتی ہے، وہ ہے تاج محل، دریائے جمنا کا پرسکون پانی تاج محل کے عکس کو سینے میں سمیٹے خاموشی سے بہتا رہتا ہے، گویا اپنے ہی اندراس حسن کو محفوظ کرلینا چاہتا ہو۔ جب سورج اپنی پوری آب وتاب سے چمکتا ہے، تو تاج محل اپنی سفید مرمری چمک سے آنکھوں کو خیرہ کردیتا ہے۔ سنگِ مرمر پر تراشے گئے خوشنما پھول، بیل بوٹے، ان کے درمیان قیمتی ومتنوع الالوان پتھروں سے بنے ہوئے نقوش، پتھروں میں کندہ قرآنی آیات کی خطاطی سب کچھ روشنی میں جھلملاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ہرزاویہ، ہردیوار، ہرمحراب میں توازن وتناسب کی ایک دنیا آباد ہے۔

تاج محل کا نقشہ ہندوستانی واسلامی فنِ تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی بنیادوں میں فارسی نزاکت، ترک عظمت اور ہندی نرمی کا حسین سنگم ہے۔ چاروں مینار گویا محافظوں کی طرح گنبد کے گرد ایستادہ ہیں۔ وسط میں بلند گنبد آسمان کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے، فی الجملہ تاج محل اپنے حسن وجمال اور تعمیراتی نقش ونگار میں نادر المثال ہے، دنیا بھر کے زائرین بڑی عظمت سے تاج محل کے دیدار کے لیے لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے آگرہ پہونچتے ہیں، اور تاج محل کے دلکش مناظر میں کھو جاتے ہیں۔

محقق ومستند تاریخی روایات سے ثابت ہے نیز ساری دنیا جانتی ہے کہ شاہ جہاں نے تاج محل اپنی محبوب و عزیز ترین اہلیہ ممتاز محل (اصل نام ارجمند بانو) کی یاد میں تعمیر کروایا تھا جب اس کی چودھویں بچے کے وضع حمل کے دوران خون کے زیادہ بہاؤ سے کم عمری میں ہی وفات ہوئی، بادشاہ کو چوں کہ اپنی اس اہلیہ سے حد درجہ لگاؤ اور بے پناہ محبت تھی تو اس نے اس کی یاد میں کوئی یادگار کام کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کی مزار پر دنیا کی سب سے خوبصورت عمارت تاج محل کی تعمیر کی۔

فلم دی تاج اسٹوری:

ملک کی بدلتی فضا میں جہاں حکومت ہند اور ان کی کاسہ لیس میڈیا جو بدامنی پھیلا رہی ہے اور اسلام کی نفرت کے شیوع کے لیے جو طور طریقے اپنائے جارہے ہیں انہیں میں سے ایک اسلام مخالف فلموں کا تسلسل ہے، آج کل کی فلموں میں اسلامی تہذیب وشریعت، اسلامی احکام اور ذاتی طور پر مسلمانوں کو ٹارگٹ کرکے

ایک طرح کا منفی تاثر پیدا کیا جا رہا ہے، ساتھ ہی فلموں کے ذریعے ہند میں مسلمان بادشاہوں کی جو گراں قدر خدمات ہیں ان پر پانی پھیرنے اور ان کو ملک کا غاصب وڈا کو اور ہندوؤں کے حق میں ظالم وسفاک باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس سلسلے میں انہوں نے سب سے زیادہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کو نشانہ بنایا ہے، اور یہ سلسلہ مغل سلطانوں میں تقریباً انہیں کے حد تک محدود تھا، لیکن اب ان کے والد شاہ جہاں کے خلاف نشتر چل رہے ہیں، شاہ جہاں کا سب سے بڑا کارنامہ جس کے بوجھ تلے ہندوستان آج بھی دبا ہوا ہے "تاج محل" کی تعمیر ہے، جس کے ذریعے ہندوستان کا عالمی سطح پر نام بھی روشن ہے اور وہاں پر حاضر ہونے والے زائرین کے سبب حکومتِ ہند کو خطیر مقدار کا نفع بھی حاصل ہوتا ہے، حق تو یہ تھا کہ شاہ جہاں کے کارناموں کو سراہا جاتا، ان کی تاریخ وخدمات کو لوگوں میں عام کیا جاتا، نئی نسل کے سامنے ان کی خوبیاں بیان کی جاتیں، لیکن اس کے برعکس اُن پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ تاج محل کو انہوں نے مندر پر بنایا ہے، وہ زمین پہلے ہندوؤں کی تھی، تاج محل کی جگہ تیجو مندر آباد تھا وغیرہ وغیرہ، اب اسی سلسلے میں ایک فلم THE TAJ STORY (دی تاج اسٹوری) 31، اکتوبر 2025ء کو منظر عام پر آنے والی ہے، فلم کا بنیادی کانسپٹ ہندوؤں اور لبرل عوام کے ذہن کو جمالِ ہندوستان تاج محل اور اس کے بانی شاہ جہاں کے تعلق سے پراگندہ کرنا ہے، پہلے تو فلم کا ایسا پوسٹر سامنے آیا کہ تاج محل کے گنبد سے ہندوؤں کے بھگوان شیو جی نمایاں ہو رہے ہیں، پھر کچھ دنوں قبل فلم کا ٹریلر جاری کیا گیا جس میں صاف طور پر مسلم دشمنی ظاہر ہو رہی ہے، ٹریلر میں دکھایا گیا کہ ایک وشنو داس نامی شخص جو کئی سال تک تاج محل پر وارد ہونے والے سیاحوں کو گائیڈ کرتا تھا وہی تاج محل کے خلاف کھڑا ہو گیا، اس کو تاج محل کے بانی اور اس کے طرز تعمیر پر شک ہونے لگا تو اس نے تاج محل اور اس کے بانی شاہ جہاں کے خلاف ہندوستانی عدلیہ میں عرضی داخل کی کہ تاج محل کی تحقیق کی جائے؛ اس لیے کہ یہ مندر کو گرا کر بنایا گیا ہے، اس میں مندر کے آثار کسی درجے موجود ہیں وغیرہ وغیرہ، نیز تاج محل کے اندرون حصے میں جو 22/20 کمرے مقفل ہیں ان کا سراغ لگایا جائے کیوں کہ ممکن ہے ان میں کچھ مورتیاں چھپی ہوئی ہوں اور مندر کے آثار موجود ہوں، پھر کچھ ایسے ڈائیلاگز بھی ہیں کہ تاج محل کے بانی " شاہ جہاں کا کام مندر بنانا نہیں بلکہ مندر توڑنا ہے" مقصد یہ ہے کہ مسلم بادشاہوں کی نفرت سماج میں بڑھتی جائے، ایک اور ڈائیلاگ یہ ہے کہ" ہندوستانیوں کے رگ رگ میں سناتن ہیں"، تاکہ یہ سب دیکھ کر اور سن کر ہندو مزید جذباتی اور مشتعل ہو جائیں، فلم میں اور کیا کیا زہر گھولا گیا اس کا تو ریلیز کے بعد ہی پتہ چلے گا۔

اس پروپگنڈے کا آغاز کہاں سے ہوا:

دراصل تاج محل کے تیجو محل ہونے کا مدعا اٹھانے والا سب سے پہلا شخص PN OAK یعنی پروشوتم ناگیش اوک ہے، یہ شخص بزعم خود مورخ ہے جس کا قلم صرف ہندوتوا کی تائید اور اس کے علاوہ مذاہب کی مخالفت میں چلتا تھا، اس نے لال قلعہ، تاج محل، لکھنو کے تاریخی مقامات حتی کہ کعبۃ اللہ اور مذہب عیسائیت کو بھی ہندومت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، اس نے عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اور تاریخی کتابوں میں من مانی تصرفات کے ذریعے اپنے خطرناک نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس جعلی مورخ کے نزدیک مستند تاریخی حقائق کے بالمقابل اس کے اپنے نظریات اور خیال میں پک رہا خناس اہمیت کا حامل ہے، اس نے اپنی مخصوص آئیڈیالوجی سے تاج محل کے تعلق سے دعوی کیا کہ یہ ایک ہندو مندر تھا اور عدالت میں تاج محل کی تعمیر کے خلاف ایک درخواست بھی پیش کی تھی۔

ویکیپیڈیا رپورٹ کے مطابق سال 2000ء میں بھارت کی سپریم کورٹ نے پی۔این۔اوک کی وہ درخواست مسترد کر دی جس میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ تاج محل کو ایک ہندو بادشاہ کی تعمیر قرار دیا جائے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اوک کو تاج محل کے بارے میں ایک غیر معقول ضد یا خبط لاحق ہے۔

سن 2017ء تک اوک کے نظریے سے متاثر ہو کر مختلف عدالتوں میں کئی مقدمات دائر کیے گئے جن میں تاج محل کو ہندو مندر قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ تاہم محکمۂ آثارِ قدیمہ ہند (Archaeological Survey of India) نے اگست 2017 میں واضح طور پر بیان دیا کہ: "ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ تاج محل کبھی کسی مندر یا ہندو عمارت کے طور پر استعمال ہوا ہو۔"

معروف مؤرخ جائلز ٹلٹسن (Giles Tillotson) نے اوک کے دعوؤں کو" تاج محل کو نیا مطلب دینے کی ایک مایوس کن کوشش" جعلی علمیت (pseudo-scholarship)" قرار دیا ہے۔

ان کے مطابق پی۔این۔اوک نے پادشاہ نامہ میں مذکور اس بات کو غلط انداز میں پیش کیا کہ شاہ جہاں نے تاج محل کی زمین جے سنگھ اوّل سے خریدی تھی، جس زمین پر پہلے راجا کے کسی جد نے ایک عمارت تعمیر کی تھی۔ اوک نے اسی بنیاد پر یہ کہانی گھڑی کہ تاج محل دراصل ایک قدیم ہندو عمارت تھی۔

ٹلٹسن مزید لکھتے ہیں کہ:

اوک نے تاج محل کی تعمیر کو تیرہ صدی قبل (چوتھی صدی عیسوی) سے منسوب کرنے کی کوشش کی، حالانکہ

اس زمانے میں ایسی پختہ عمارتیں بنانے کی تکنیکی صلاحیت ہندوستان میں موجود نہیں تھی۔ اُس دور کی صرف سنگ تراشی یا چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی عمارتیں ہی پائی جاتی ہیں۔ بعد میں اوک نے اپنی رائے بدل کر کہا کہ یہ عمارت بارہویں صدی کی ہے۔ اوک کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ مغلوں نے خود کچھ نہیں بنایا بلکہ قدیم ہندو عمارتوں کو تبدیل کر کے استعمال کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مغربی ایشیا (West Asia) کی عمارتوں کو بھی "ہندو طرزِ تعمیر کی پیداوار" قرار دیا۔ تاریخی روایات کے مطابق یہ زمین شاہ جہاں نے راجہ جے سنگھ (راجپوت حکمران) سے خریدی تھی۔ بدایونی کی "واقعاتِ عالمگیری" اور محمد صالح کنبو کی "عمل صالح" (مشہور بہ شاہجہان نامہ) میں مذکور ہے کہ "یہ قطعۂ زمین جہاں تاج محل کی بنیاد رکھی گئی، پہلے راجہ مان سنگھ کے باغ کا حصہ تھا، جو اس وقت راجہ جے سنگھ کے قبضے میں تھا۔ شاہ جہاں نے اسے راجہ جے سنگھ سے قیمتاً خریدا، تب جا کر وہاں تعمیر شروع کی گئی۔" (حوالہ: "عمل صالح" جلد دوم، ص ۴۰۵، مطبوعہ: مطبع نظامی، دہلی)

''بادشاہ نامہ'' از عبدالحمید لاہوری جو شاہ جہاں کے درباری مؤرخ تھے، وہ لکھتے ہیں:

"پہلے یہ زمین راجہ مان سنگھ کی ملکیت تھی۔ موجودہ راجہ جے سنگھ نے شاہی ضرورت کے پیشِ نظر یہ قطعہ بہ قیمت مناسب بادشاہ کے سپرد کیا۔" (حوالہ: بادشاہ نامہ، جلد دوم، صفحہ ۴۰۱، ایڈیشن: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا)

سر پرسی براؤن (Sir Percy Brown) اپنی کتاب

Indian Architecture Islamic Period

میں لکھتے ہیں:

"The site of the Taj Mahal was originally the property of Raja Jai Singh, which Shah Jahan purchased before the construction began''

(Reference: Percy Brown, Indian Architecture The Islamic Period, Vol. II, p. 82)

(ASI)(Archaeological Survey of India)

کی سرکاری ریکارڈ رپورٹ میں بھی یہی ذکر ہے:

“Historical documents confirm that the land was acquired from Raja Jai Singh of Amber by Shah Jahan in exchange for four havelis elsewhere in Agra”.

(Source: ASI Report on Taj Mahal, 1923,p. 17)

----بقیہ صفحہ ۲۶ پر

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ”منتخب ملفوظات“ (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔

از مرتب

(۱۸) حضرت شیخ الحدیثؒ کا راہِ علم میں مجاہدہ

ارشاد فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ”اوجز المسالک“ کی تصنیف شروع کی تو آپؒ کو اس کے مکمل کرنے میں بہت وقت لگ گیا، مغرب کے بعد ہی اپنی لائبریری میں تشریف لے جاتے تھے، حضرت مولانا سلمان صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے روتے ہوئے خود یہ واقعہ علماء کی ایک مجلس میں روتے ہوئے سنایا تھا کہ کبھی وہ اور کبھی حضرت مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم ـــ دونوں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے داماد تھے ـــ اپنی اپنی بیویوں یعنی شیخ کی بیٹیوں کے ساتھ حضرت شیخؒ کی خدمت میں لگے رہتے تھے، بیٹی کا کام یہ ہوتا تھا کہ حضرت کی لنگی بنائن جب گرمی کی شدت سے پسینے میں بھیگ جاتے تو سوکھے ہوئے کپڑے لاکر دینا اور بھیگے ہوئے دھوکر سوکھا دینا۔ تو پانی میں بھگا کر اس کو سکھا دیتی اور سوکھی ہوئی لاکر دیتی رہتیں، داماد کا کام یہ ہوتا تھا کہ مختلف کتابیں جن کی حضرت کو ضرورت ہوتی اٹھا کر حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرتے رہنا، یا حضرت کسی مضمون کے سلسلہ میں اشارہ فرماتے تو اس مضمون کو تلاش کر کے حضرت کے سامنے رکھنا، دن میں پڑھتے ہوئے راتوں میں یہ مشقتیں علم کی خاطر اُٹھاتے تھے۔

جب یہ کتاب چھپی تو مدینہ منورہ کے ایک عالم نے کہا کہ ”اس کتاب کو پڑھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی حنفی عالم نے لکھی ہے،“ اور ایک بہت بڑے عالم نے کہا کہ ”مالکیہ کی تاریخ میں ایسی جامع اور مفصل شرح نہیں آئی

ہے''، اس سے اس محنت کا خود بہ خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو شیخ نے علمی تصنیفات کے سلسلے میں کی ہیں، آج ہم کسل مندی و سہل پسندی کی وجہ سے ان کتابوں کو پڑھ بھی نہیں پا رہے ہیں، جنہیں لکھنے کے لئے ان لوگوں نے راحت و آرام کی اتنی قربانیاں دی ہیں۔

علم کا راستہ یوں ہی طے ہوتا ہے، جب آدمی علم کے راستہ میں فنا نہیں ہو جاتا، اپنی راحت و سکون کو چھوڑ کر کتاب کا نہیں ہو جاتا؛ تب تک اللہ تعالیٰ اس کو علم عطا نہیں فرماتے؛ کیونکہ علم اللہ کی صفت ہے اور اللہ غنی ہے تو اس کی صفات بھی غنی ہیں، سراپا محتاج کو ملتا ہے، سر سے پیر تک سراپا طالب بن جائے تب اللہ غیب سے علم عطا فرماتے ہیں۔

(۱۹) اپنے شیخ کی نقل بھی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیئے

ارشاد فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کسی مجلس میں ذکر فرمایا کہ جب تک میری پھوپھی زندہ تھیں (حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت و پرورش زیادہ تر ان ہی کے پاس ہوئی تھی،) رات کا کھانا نوالے بنا بنا کر خود ہی کھلا دیتی تھیں؛ اس لیے کہ حضرت مغرب ہی سے تصنیفی کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے، پورا دھیان اسی میں رہتا تھا، ان کا انتقال ہو کر اب تیس برس ہو گئے، ۳۰ سال سے میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔ حضرت کے مریدین میں ایک بزرگ تھے صوفی عبدالرب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے اس واقعہ سے بہت اثر لیا، اور رات کا کھانا چھوڑ دیا؛ مگر چند دن سے زیادہ اس کو برداشت نہیں کر سکے، اپنی ذمہ داریوں پر اس کا اثر پڑنے لگا، انہوں نے اپنا یہ حال حضرت شیخ رحمہ اللہ کو لکھا، تو اس کے جواب میں حضرت نے ان کو لکھا کہ خبردار! آئندہ سے میری نقل بھی میرے مشورے کے بغیر نہ کرنا، آج کل بہت سے مریدین خود ہی مشیخیت شروع کر دیتے ہیں، ہر کام میں شیخ کی نقل مارنے کی کوشش کرتے ہیں، اجازت نہیں لیتے کہ میں اس کا اہل بھی ہوں یا نہیں؟ ان کے لئے بس یہ ثبوت کافی ہے کہ حضرت کر رہے ہیں، خانقاہ میں ہو رہا ہے، وہ بھی صرف ان چیزوں میں نقل کرتے ہیں جن سے مشیخیت کا اظہار ہوتا ہے، اور جن چیزوں میں مریدی کا اظہار ہو ان میں کوئی اتباع نہیں؛ خوب سمجھ لو یہ بھی نفس کا مکر ہے جس میں اس نے مبتلا کر رکھا ہے۔

(۲۰) شیخ کی صحبت و خدمت سب سے مقدم ہے

ارشاد فرمایا: نظام حیدرآباد نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کی کچھ کتابوں کی تحقیق کے لئے ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' میں طلب کیا (حیدرآباد میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ تھا،

جو حکومتِ حیدر آباد کے تحت چلتا تھا، اس زمانہ میں ساری دنیا میں کہیں ایسا ادارہ نہیں تھا، حتی کہ عرب علماء کو بھی بہت سی علمی کتابیں یہیں سے ملیں، ایک اور ادارہ ’’دائرۃ المعارف النعمانیہ‘‘ کے نام سے قائم تھا؛ اس میں فقہ حنفی کی نادر کتابیں جمع کی گئی تھیں، اس میں احناف کی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا، یہ مولانا ابوالوفاء افغانیؒ کا شخصی ذوق اور کارنامہ تھا تو اس زمانہ میں حضرت شیخ کو ۵۰۰ روپے تنخواہ، موٹر کار (جو کہ صرف نوابوں کے پاس ہوتی تھی) اور سرکاری بنگلہ کی پیشکش کے ساتھ حیدر آباد سے دعوت دی گئی کہ آپ یہاں تشریف لے آیئے؛ وہاں سے بھی زیادہ تحقیقی کام یہاں ہوسکتا ہے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں اپنے شیخ کے علمی کاموں میں مدد کر رہا ہوں اُسے چھوڑ کر وہاں نہیں آ سکتا، اپنے حضرت شیخ کی خدمت وصحبت کو خاطر نہیں چھوڑ سکتا، چناں چہ نہیں آئے، مظاہر علوم سہارنپور ہی میں کام کرتے رہے۔ حالاں کہ اُنھیں وہاں کی محدود آمدنی کی وجہ سے کبھی کبھی مقروض بھی ہو جانا پڑتا تھا، ایک جگہ آپ بیتی میں لکھا ہے کہ قرض ادا کرنے کے لئے گھر کے برتن بھی بیچنا پڑا، ایسی تنگی کی زندگی گزار لی مگر ایسی پیشکش کو ٹھکرا دیا، پھر اللہ پاک نے اخیر عمر میں فتوحات کے دروازے کھول دئے، نہ صرف ان کے گھر خوش حالی آئی بل کہ بہت سوں کی خوش حالی کا ذریعہ بن گئے۔ بڑوں کے ان احوال سے طلبہ وعلماء کو سبق لینا چاہیئے۔

(۲۱) طالب علم کو طلبِ علم کے زمانہ ہی سے عمل کی فکر وجستجو میں لگ جانا چاہیئے

ارشاد فرمایا: پہلے زمانہ میں مشائخ کی صحبت اور عملی زندگی میں تقویٰ وطہارت کا اہتمام حصولِ علم کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا، الگ الگ نہیں تھا، اب طلبہ نے علم کا زمانہ الگ کر دیا ہے، عمل کا زمانہ الگ کر دیا ہے، اس لیے زمانۂ علم میں عمل کی طرف توجہ نہیں دیتے، اپنے اخلاق کی درستگی اور اپنی صفات کو تبدیل کرنے کی فکر نہیں کرتے، اور جو کچھ کتاب وسنت میں پڑھتے ہیں اس کی روشنی میں اپنے کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش نہیں کرتے، کیوں؟ اس لیے کہ ذہن میں ہے کہ یہ علم کا زمانہ ہے، عمل کا زمانہ بعد میں آئے گا؛ حالاں کہ عمل کا حکم تو بالغ ہونے کے بعد سے ہی شروع ہو گیا، فرشتوں نے لکھنا بھی شروع کر دیا ہے، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ یاد رکھو! ایسا طالب علم جو علم وعمل کے زمانہ کو الگ کرتا ہے اس کے عمل کا زمانہ موت تک بھی نہیں آئے گا؛ اور یہ نظر بھی آ رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے عمل کا زمانہ اب تک بھی نہیں آیا، جبکہ عمر گزر رہی ہے، اور جنہوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی عمل کو ٹھان لیا وہ ماشاء اللہ جوانی ہی میں متقی بن گئے، شاب نشأفی عبادۃ اللہ کے مصداق ہو گئے۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

"خانقاہِ سعیدیہ" میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ ر بجے تا شب ۹ ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

ذکر وعبادت لذت کے لئے نہیں؛ بلکہ اللہ کا حکم سمجھ کر کرنا چاہئے۔

سوال (۱۷): ذکر میں لذت نہیں ہوتی ہے، اور بدنظری سے سو فیصد بچنا نہیں ہو رہا ہے؛ علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: ۔لذت کے لیے تو ذکر نہیں کیا جاتا، یہ ایک غلط فہمی ہے، اس کو دور کرو، لذت ہو یا نہ ہو، اعمال کیے جاتے رہیں، عبادات میں لذت اگر آ جائے تو اللہ کا شکر ادا کرو، نہ ملے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، جتنے اعمال و عبادات ہیں اللہ کا حکم سمجھ کر کیے جاتے ہیں، لذت کے لیے نہیں کیے جاتے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو کسی عمل میں لذت ملتی ہے تو پھر وہ لذت ہی کے لیے کرتا ہے، اللہ کو بھول جاتا ہے، تو گویا وہ عبادت بھی غیر اللہ کے لیے ہو گئی، اس لیے اللہ تعالیٰ کبھی لذت دیتے ہیں، اور کبھی نہیں دیتے؛ تا کہ بندہ اس کو عبادت بنا کے رکھے خواہش نفس نہ بنا بیٹھے۔ جہاں تک بدنظری سے سو فیصد بچنے کی بات ہے تو سو فیصد کامیابی تو ہم سے مانگی بھی نہیں گئی، اِس کا اللہ نے ہم سے مطالبہ بھی نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو فرما رہے ہیں: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (یعنی جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو) یہ دیکھو کہ جتنا ممکن ہے اتنا بھی بچ رہے ہیں یا نہیں؟ سو فیصد کی بات ہی نہیں ہے، ہاں! آدمی یہ مان کے چلے کہ نگاہ کی حفاظت سو فیصد کرنا ہے، اسی کی کوشش کرے اور دعا بھی کرے؛ لیکن پھر بھی بدنظری ہو گئی تو اب توبہ اور استغفار کرے۔

گندے وساوس کی وجہ اوراس کا علاج

سوال (۷۲): وسوسے بہت گندے آتے ہیں، نماز میں بھی، اور کبھی تنہائی میں، کبھی بازار میں، اور یہ اچانک ہوتا ہے، اصلاح فرمائیں۔

جواب: اچانک ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں؛ لیکن اس کے پیچھے کوئی لنک ہوتی ہے، اس پہ غور کرو کہ ایسے گندے خیالات آتے کیوں ہیں؟ اگر آدمی ایسے ماحول میں رہا ہو، یا ماضی میں ایسی گندی چیزیں دیکھا ہو تو اس کو ایسے گندے خیالات آتے ہیں، بہر حال اگر کچھ اسباب ہو چکے ہیں؛ چاہے اب نہ ہوں تو بھی ماضی کی باتیں رہ رہ کے ذہن میں آئیں گے، یا کسی مناسبت سے ذہن میں آئیں گی، اس لئے ایسے تمام اسباب سے احتیاط کرنا چاہیے، اور اچھے ماحول میں وقت گذارنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

طبیعت کے بخل کی ایک صورت

سوال (۷۳): ۔میرے اندر ایک بری صفت یہ ہے کہ کوئی اچھی چیز ملے، یا اچھی بات معلوم ہو جائے تو دوسروں کو ان چیزوں سے محروم دیکھنا چاہتا ہوں، برائے کرم علاج فرمائیں۔

جواب: ۔یہ محض دل کا بخل ہے، مقابلہ آسان ہے؛ مقابلہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز آپ کو ملے تو اللہ کا شکر ادا کرو، اور دعا کرو کہ اللہ پاک یہ توفیق میرے بھائیوں اور دوستوں کو بھی دیجیے، اور مجھ سے بڑھ کر دیجئے، آپ کا ایسا خیال طبیعت کا بخل ہے، اور اس کا یہی علاج ہے۔

نجاتِ آخرت کے لئے اپنے دین کے ساتھ اپنے متعلقین کے دین کی فکر بھی ضروری ہے

سوال (۷۴): ۔احقر کو دین کی کچھ نہ کچھ فکر ہے؛ مگر احقر کے متعلقین (بھائی بہن بیوی وغیرہ) کے بارے میں فکر نہیں ہوتی کہ ان کی زندگی میں دین آجائے، اس کا علاج تجویز فرمائے۔

جواب: ۔فکر کرو اور دعا کرو، اس امت کو صرف اپنا دین نجات نہیں دے گا، اپنی طاقت بقدر دوسروں کے دین کی بھی فکر کرنا ہے، خاص کر وہ جو اپنے ماتحت ہیں؛ ان کی فکر کرو، اور ان کی بے فکری سے تکلیف ہونا چاہیے، آخرت کے نقصانات مدنظر ہونا چاہیے، کسی کی بھی بے دینی سے بے پرواہی پیدا ہو جانا سنگدلی کی بات ہے، ایک آدمی بھوکا ہے تو تکلیف ہوتی ہے، ایک آدمی بے نمازی ہے تو تکلیف کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ معمولی دنیاوی نقصانات پر ہم اپنی محبت کا، رشتے کا اور تعلق کا حق ادا کرتے ہیں؛ تو وہ بڑے بڑے نقصانات جو آخرت میں سامنے آنے والے ہیں؛ ان کے بارے میں اور زیادہ ہمدردی ہونی چاہیے۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

آیت سجدہ سن کر دوسری رکعت میں شامل ہونا

سوال: اگر کوئی، امام سے آیت سجدہ سن کر دوسری رکعت میں نماز میں شامل ہو تو کیا سجدہ تلاوت اس پر واجب ہے؟

جواب: اگر خارجِ نماز آیتِ سجدہ سن کر اسی رکعت میں شامل ہوجائے تو امام کا سجدہ کافی ہے، دوبارہ الگ سے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو نماز کے بعد سجدہ کرنا ضروری ہے۔

(مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۹/ ۱۱۵)

قعدۂ اولیٰ میں سہوا سلام پھیرنے سے نماز

سوال: اگر کوئی، قعدۂ اولیٰ میں سہوا سلام پھیر تو کیا نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

جواب: قعدۂ اولیٰ میں سہوا سلام پھیرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا، سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہوجائے گی۔

(مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۹/ ۱۲۲)

خطبۂ جمعہ کے دوران سامع کا درود شریف پڑھنا

سوال: خطبۂ جمعہ کے دوران سامع اگر درود شریف سنے یا آیت کریمہ: ان اللہ وملکئتہ یصلون علی النبی۔ سنے تو درود شریف کیسے پڑھے بلند آواز سے یا آہستہ؟

جواب: دل دل میں پڑھے، آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے۔

(مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۹/ ۱۲۷)

تاخیر رکن کی وہ مقدار جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کیا ہے؟

سوال: تاخیر رکن کی وہ مقدار جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کیا ہے؟

سوال: تاخیرِ رکن کی صحیح مقدار جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے وہ تین تسبیحات کے بقدر ہے، یعنی تین مرتبہ **سبحان ربی الاعلیٰ** یا **سبحان ربی العظیم** کے برابر ہے، اس سے کم کی تاخیر میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ (مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۹/ ۱۴۳)

طالب علم کے پاس سے مدرسہ کی کتاب چوری ہو جائے تو تاوان کا حکم

سوال: اگر مدرسہ کی کتاب طالب علم کے پاس سے چوری ہوگئی تو کیا اس کا تاوان لازم ہوگا؟

جواب: اگر طالب علم نے مقررہ وقت پر کتاب واپس نہیں کی پھر چوری ہوگئی تو کتاب کا تاوان اس پر لازم ہوگا۔ (ورنہ نہیں) (مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۹/ ۳۶۷)

والد کی تعظیم میں قبلہ اور کعبہ کے الفاظ لکھنے کا حکم

سوال: والد کی تعظیم میں قبلہ اور کعبہ کے الفاظ لکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اپنے والد صاحب کے لئے قبلہ اور کعبہ کے الفاظ لکھنا درست تو ہے؛ مگر خلافِ اولیٰ ہے۔

(مستفاد از فتاویٰ دار العلوم زکریا ۸/ ۳۴۹)

بغیر اجازت کال ریکارڈ کرنے کا حکم

سوال: سامنے والے کو بتائے بغیر موبائل میں اس کی کال ریکارڈ کرنا یا خفیہ کیمرے کے ذریعے کسی کی ویڈیو بنانا کیسا ہے؟

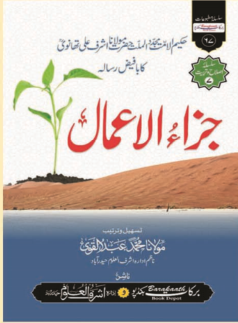
جواب: ٹیلی فون پر گفتگو عام طور پر ذاتی نوعیت کی ہوتی ہے، لہذا اجازت کے بغیر ایسی گفتگو کو ریکارڈ کرنا خیانت ہے، اسی طرح خفیہ طور پر کسی کا ویڈیو یا آڈیو بنا کر اسے دوسروں تک عام کرنا سراسر فتنہ انگیزی اور بدترین گناہ ہے، جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ (نخبۃ المسائل، ۴/ ۳۴۷)

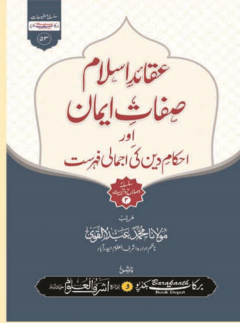
بغیر اجازت دوسرے کے موبائل کی میموری کی چیزیں دیکھنا

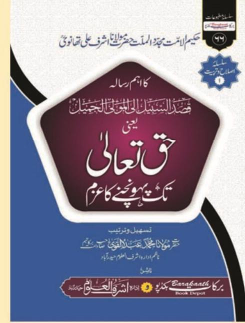
سوال: بغیر اجازت دوسرے کے موبائل کی میموری کی چیزیں دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: بغیر اجازت کسی کی غیر موجودگی میں اس کے موبائل میں محفوظ مواد دیکھنا بالکل ناجائز ہے، اور یہ عمل تجسس کے دائرے میں آئے گا جو کہ حرام ہے۔ (نخبۃ المسائل، ۴/ ۳۷۲)

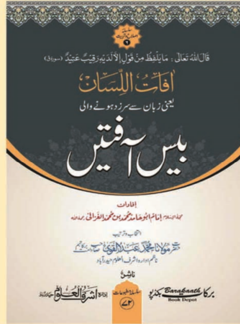
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Nov-25, Date of Posting 5th Nov-25

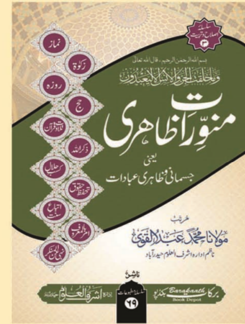


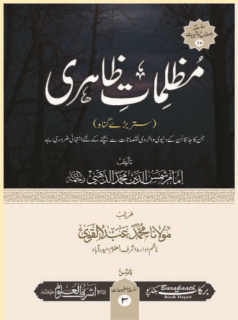


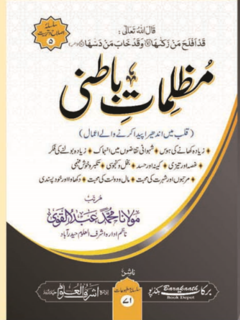


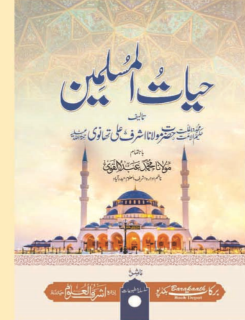












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi